رسولِ حکمت ﷺ

(حِکمۃ بالغۃ)

مسعود احمد شاہ

نگارشات ○ میاں چیمبرز ○ ۳ ٹمپل روڈ ○ لاہور

نوٹ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم شریف کیساتھ پورا درودِ پاک لکھنا چاہیئے کیونکہ (ص) یا صرف صلعم وغیرہ لکھنا ناجائز اور سخت حرام ہے۔ اسی طرح رض۔ رح۔ عل یہ سب لکھنا حرام ہے۔ لہٰذا مسلمانو! خدارا آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کیساتھ ص یا صلعم لکھنا درودِ پاک کی تحقیر ہے۔ اس سے بچو اور درودِ پاک پورا پڑھو جو موجب برکت وثواب ہے
اسی طرح اللہ جل جلالہ کے نام کیساتھ بھی جا نہ لکھیں نہ پڑھیں ۱۹۹۲ء

ہمیشہ یہی لکھیں اور یہی پڑھیں:

جا کی بجائے جل جلالہٗ
ص کی بجائے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رض کی بجائے رضی اللہ تعالیٰ عنہ/عنہا
رح کی بجائے رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
ان کی تحقیر گناہ ہے۔ اس سے بچو

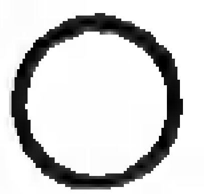
طالب دعا!

ناشر: آصف جاوید
مطبع: بکش پرنٹرز لاہور
سرورق: نعیم احسن
قیمت: ۹۹/ روپے

انتساب

حضرت لقمان جیسی جلیل القدر ہستی کے نام
جو غیر انبیا میں حکمت و دانش کے بحرِ بیکراں تھے اور
جن کی حکمت و دانائی کو قرآن حکیم کی مہرِ تصدیق نے زندہ جاوید بنا دیا۔

فہرست مضامین



۱۔ عرض مدعا ___ ۱۱ تا ۲۳

۲۔ حضرت آدم علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام تک ___ ۲۵ تا ۴۸

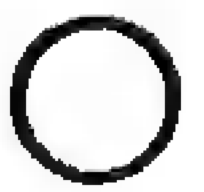
۳۔ حضرت شعیب علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک ___ ۴۹ تا ۷۴

۴۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعثت سے قبل ___ ۷۹ تا ۸۴

۵۔ مکی زندگی کے واقعات ___ ۸۵ تا ۱۰۰

۶۔ مدنی زندگی کے واقعات ___ ۱۰۰ تا ۱۹۱

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رضی اللہ تعالیٰ عنہ / عنہا
علیہ السلام



عرض مدعا۔

نوع انسانی کے کسی ایک فرد کی حیات کے بارے میں اتنا کچھ نہ سوچا گیا ہے۔ اور نہ کہا گیا ہے اور نہ ضبط تحریر میں لایا گیا ہے جتنا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کے بارے میں سوچا' کہا اور لکھا گیا ہے۔ مجھے عرصہ سے خیال تھا کہ میں حیات طیبہ کے کسی ایک پہلو پر کچھ لکھ کر عقیدت کے موتی پیش کروں اور پہلو وہ ہو جو نوع انسانی کی راہنمائی میں سب سے نمایاں ہو۔ اس ضمن میں کافی سوچ بچار کے بعد میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے اس روشن اور درخشاں باب پر قلم اٹھانے کی جسارت کی جسے حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یوں تو حضور کا ہر قول۔ ہر فعل اپنے اندر حکمت کے گوہر تابندہ لئے ہوئے ہے۔ لیکن میں نے اس ضمن میں آپ کی حیات طیبہ سے صرف وہ واقعات منتخب کئے ہیں۔ جو حکمت سے اس طرح لبریز ہیں کہ آج کا ترقی یافتہ انسان سطحی آنکھ سے ان گوہہائے تابدار کی چمک کو دیکھ سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ واقعات آج کی زندگی میں ہماری راہنمائی اس دور کی کشاکش میں کرتے ہیں۔ اس موضوع کو واضح کرنے کے لئے پہلے حکمت کے معانی اور مطالب کو سمجھنے کی ضرورت ہو گی۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ متعدد مقامات پر آیا ہے۔ قرآن حکیم کو کتاب الحکیم کہا گیا۔ علامہ اقبال نے اس بارے میں یوں کہا۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم۔ حکمت او لایزال است و قدیم۔

حکمت بڑا جامع لفظ ہے۔ انگریزی میں Wisdom کا لفظ اس کے معانی سے مطابقت رکھتا ہے۔ قرآنی حکمت خدا کی ذات کا ممکنہ شعور و ادراک۔ اپنی زندگی کے

معمولات کو فطرت کے مطابق ڈھال لینا اور قوانین فطرت کی خلاف ورزی سے گریز اور نیکی کے ابدی سنہرے اصولوں کی پاسداری کرنے کو کہتے ہیں۔ آج کے دور میں نوع انسانی کا ہر فرد معاش کی فکر میں غلطاں اور پیچاں ہے۔ اس کے علاوہ دنیوی تکلفات کی زندگی نے انسان کو بے چین کر رکھا ہے تاہم اسے روزمرہ کی زندگی میں مختلف نوع کے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہر مسئلہ کا حل دین الہی اور رسول حکمت کی سیرت طیبہ میں ملتا ہے۔ حل صرف وہی بہتر نہیں جو سوچنے والے کے اپنے مادی مفاد میں ہو۔ حل تو وہ ہے جو سوچنے والے کے لئے دوررس مفاد کا باعث بنے اور ساتھ ہی اس کے قلبی اطمینان کا ذریعہ بھی ہے۔ جب ایک انسان وقتی مصلحتوں سے بالاتر ہو کر رسول حکمت کی زندہ جاوید سیرت سے راہنمائی پاتا ہے تو وقتی طور پر کچھ کھونے کے باوجود اسے اس بات کا اطمینان ہوتا ہے کہ اس نے بالاخر یہ حل تجویز کر کے کھویا نہیں بلکہ کچھ پایا ہے اور یہ فکر اس کے اندر مثبت سوچ پیدا کرتی ہے اور قلبی سکون و اطمینان کا باعث بھی بنتی ہے۔ جس کی آج کی معاشی۔ معاشرتی کشمکش میں اشد ضرورت ہے اور یہ انسان کی جسمانی اور روحانی اصلاح اور ارتقاء کا باعث بھی ہے۔

قرآن حکیم میں تبلیغ اسلام اور دیگر اہم معمولات زندگی میں حکمت اور دانائی سے کام لینے کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور تبلیغ دین حق کے لئے حکمت سے دعوت دینے کی تلقین کی گئی۔

قرآن حکیم میں حکمت کا لفظ متعدد بار استعمال ہوا ہے۔ ہر مقام پر قرآن حکیم میں حکمت کے ان گوہہائے تابدار کی طرف واضح اشارات کئے گئے ہیں جن کو اپنانے سے انسان کا دامن مالامال ہو سکتا ہے اور وہ اس دنیا میں ایک مثالی زندگی گذار کر اپنے رب کے سامنے سرخرو ہو کر اخروی زندگی کے انعامات و اکرام کی امید واثق لے کر خدائے بزرگ و برتر کے حضور پیش ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایئے قرآن حکیم میں حکمت کی ترکیب کن کن نادر معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔

۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۲۹

بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے رب سے دعا کرتے ہیں۔ اے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنا اور ہماری اولاد میں سے ایک امت کو اپنا فرمانبردار بنا۔ حج کے آداب سکھا۔ اور ہمیں معاف فرما۔ اور اے رب ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما۔ جو تیری آیات ان پر تلاوت کرے۔ تیری کتاب کی تعلیم دے۔ اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کو سنوارے۔ بے شک تو بڑا زبردست حکمت والا ہے۔

دعا اور الفاظ دعا پر بار بار غور کریں۔

۲۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۵۱

یہاں بعثت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا۔ ظالموں سے مت ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ اس لئے کہ ہم تم پر نعمت تمام کریں۔ اور تمہیں ہدایت دیں۔ جیسا کہ پہلے تم میں تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ہماری آیات تلاوت کرتا ہے۔ اور تمہارا تزکیہ نفس کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

قارئین کرام یہی الفاظ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں استعمال کئے تھے۔

۳۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۳۱

اس آیت میں طلاق کے تکمیل پا جانے کے بعد مرد اور عورت کے معاشرتی تعلقات کو معمول کی سطح پر رکھنے اور مرد کی طرف سے زیادتی نہ کرنے کا حکم ہے اور ساتھ ہی فرمایا ہے کہ کتاب کے ان احکامات کو مذاق نہ سمجھو۔ یہ عملی حکمت کا نمونہ ہیں۔ جن پر کاربند رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۴۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۵۱

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں جالوت کے قتل کا ذکر ہے اور

فرمایا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد کو ملک۔ حکمت اور علم عطا کیا۔

۵۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۶۹

یہ آیت کریمہ حکمت کے کمال کا بیان کرتی ہے۔ اس آیت سے قبل اللہ کی راہ میں اپنی کمائی کا طیب حصہ خرچ کرنے کا بیان ہے اور اس حوالے سے فرمایا کہ شیطان تنگی اور حد سے تجاوز کا حکم دیتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ ساتھ ہی یہ فرما دیا کہ اللہ جسے چاہے حکمت کے خزانے سے نوازتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا کی وہ جان لے کہ اسے خیر کثیر عطا کر دی گئی ہے۔ اور اہل عقل ہی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں۔

میرے خیال میں حلال کمائی۔ اور طیب مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔ شیطان کے وعدہ تنگی اور حد سے تجاوز کرنے کے حکم سے گریز کرنا۔ اللہ کے فرمودات میں مغفرت اور فضل تلاشی کرنا۔ حق و باطل میں حد فاصل قائم کرنا۔ اور حلال و حرام میں تمیز کرنا ہی وہ حکمت ہے جو اللہ تعالیٰ اہل عقل کو عطا کرتا ہے۔ اور یہی عطاء خیر کثیر ہے۔

۶۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۸

اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ کتاب و حکمت کی تعلیم اور توراۃ و انجیل کی تعلیم دیں گے۔ یہاں بھی حضورؐ کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا منصب تعلیم کتاب و حکمت بتلایا گیا۔

میرے خیال میں تمام انبیاء علیہ السلام کی دعوت و وحی کا مقصد تعلیم کتاب و حکمت ہی ہے۔ جن انبیاء پر صحیفے یا کتب نہیں اتاری گئیں ان کا مقصد بعثت' تعلیم و حکمت تھا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے اس کتاب کا نام قرآن حکیم کے حوالے سے ہی "حکمۃ البالغۃ" رکھا ہے۔

۷۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۶۴

اس آیت میں بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ فرمایا۔ اہل ایمان پر اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان میں سے ہی ایک رسول مبعوث کیا۔ جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔ ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی سے قبل یہ جماعت مومنین صریح گمراہی کا شکار تھی۔

۸۔ سورۃ النساء آیت ۵۴

یہود کے بارے میں اس آیت میں فرمایا۔ کیا یہ حسد کرتے ہیں ان لوگوں کا جو دیا اللہ نے ان کو اپنے فضل سے۔ ہم نے عطا کی ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت اور ان کو بڑی حکمرانی عطا کی۔

۹۔ سورۃ النساء آیت ۱۱۳

اس آیت میں فرمایا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا فضل اور مہر نہ ہوتا تو ایک جماعت نے آپؐ کو بہکانے کا قصد کر رکھا تھا۔ مگر وہ بہکا نہ سکتے تھے۔ رسول اللہؐ کو بلکہ وہ بہکاتے اپنے آپ کو۔ اور اللہ نے نازل کی اپنے رسول پر کتاب اور حکمت۔ اور اس کو تعلیم دی جو وہ جان نہ سکتا تھا۔ اور یہ اللہ کا فضل ہے بہت بڑا۔

یہاں بھی کتاب و حکمت کی تعلیم کو لوگوں کے دھوکہ سے بچاؤ کی علت قرار دیا گیا۔ اور اسے اللہ کی طرف سے فضل عظیم گردانا گیا۔

۱۰۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۰

اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کو کتاب و حکمت کی تعلیم کا تذکرہ ہے۔ اور توراۃ و انجیل کی تعلیم کا حوالہ دیا گیا ہے۔

۱۱۔ سورۃ لقمان آیت ۱۲

اس آیت میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے لقمان کو حکمت عطا کی۔ کہ شکر کرے اللہ

کا۔ اور جو شکر کرتا ہے اللہ کا وہ اپنے فائدے کے لئے کرتا ہے۔ اور جو انکار کرے گا تو اللہ بے پرواہ ہے اور سب خوبیاں اسی کی ہیں۔

۱۲۔ سورۃ الاحزاب آیت ۳۴

اس آیت میں اللہ تعالٰی نے ازواج مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ اور یاد کرو ان حکمت کی باتوں کو اور آیات ربانی کو جو تمہارے گھر میں تلاوت کی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ بھید سے واقف و خبردار ہے۔

۱۳۔ سورۃ ص آیت ۲۰

اس آیت میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے۔ فرمایا۔ ہم نے اس کی حکومت کو قوت بخشی۔ اور اسے حکمت عطا کی۔ اور قوت فیصلہ دی۔

۱۴۔ سورۃ القمر آیت ۵

اس آیت کریمہ میں فیصلے کی ساعت کا مذکور ہے۔ کہ حکمت بالغہ یہ ہے کہ فیصلہ کی ساعت جب آن پہنچے تو اللہ کی راہ پر خبردار کرنے والے اب کسی کام نہیں آ سکتے۔

۱۵۔ سورۃ الجمعۃ آیت ۲

اس آیت میں بھی بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔ فرمایا۔ اللہ وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ جو ان پر آیات ربانی کی تلاوت کرتا ہے۔ اور ان کا تزکیہ نفس کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی کا شکار تھے۔

۱۶۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت۔ ۳۹

اس آیت کریمہ میں گذشتہ آیت ۲۳ سے ۳۸ تک متعدد احکامات کا ذکر کر کے

فرمایا- یہی کچھ ہے جو وحی کیا تیرے رب نے تیری طرف حکمت میں سے- اور اللہ کے سوا کسی اور کو بندگی کے قابل نہ ٹھہرا- ورنہ تو دوزخ میں دھکیلا جائے گا-

میں نے اس آیت میں حکمت کا حوالہ آخر میں دیا ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس آیت کریمہ کی نسبت سے اللہ تعالیٰ نے حکمت کا ایک مفصل اور جامع نقشہ دیا ہے- جس کا ذکر خاص اہمیت کا متقاضی ہے- گزشتہ آیات میں جن اوامر و نواہی کا حکم دیا گیا وہ درج ذیل ہیں-

(۱) اللہ تعالیٰ نے واضح ہدایت کر دی کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو-

(۲) والدین میں سے دونوں یا ایک اگر بڑھاپے کو پہنچ جائے تو ان کے ساتھ بھلائی کرو- ان سے سختی نہ کرو- ان کو جھڑکو مت- اور ان کے ساتھ ادب سے' عاجزی اور پیار سے پیش آؤ- اور رب سے ان کے لئے رحم و کرم طلب کرو- جس طرح انہوں نے تمہاری پرورش کی-

(۳) اپنے رشتہ دار کو محتاج کو- مسافر کو ان کے حقوق ادا کرو- فضول خرچی سے بچو کہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں-

(۴) اگر ان لوگوں کو کچھ دے نہیں سکتے تو ان سے نرم گفتگو کرو-

(۵) نہ اتنا کنجوس ہو جا کہ تیرا ہاتھ گردن سے بندھا رہے- اور نہ اس قدر فضول خرچ کہ بعد میں ہار کے بیٹھ جائے-

(۶) اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل مت کر-

(۷) بدکاری کے قریب نہ جاؤ کہ وہ بے حیائی ہے اور بری راہ ہے-

(۸) کسی کو اللہ کے دیئے ہوئے اختیار کے بغیر قتل نہ کرو- مقتول کے ورثاء کو بھی چاہئے کہ وہ بدلے میں حد سے تجاوز نہ کریں-

(۹) مال یتیم کے قریب نہ جاؤ- مگر معروف طریقے سے-

(۱۰) اپنے وعدوں کی پاسداری کرو-

(۱۱) ماپ اور تول پورا دو-

(۱۲) بلا تحقیق کسی بات کے پیچھے مت پڑو-

(۱۳) زمین پر اترا کر مت چلو- کہ اس طرح نہ زمین کو پھاڑ سکو گے- اور نہ

پہاڑوں تک بلند ہو سکو گے۔

میرے ذہن میں ابھرنے والے حکمت کے معانی و مطالب میں زندگی گزارنے کا طریق احسن ہے ایک عقیدہ اور پھر اس پر عمل حکمت کا اصل مغز ہے۔ میں زیر نظر کتاب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ساتھ ساتھ انبیاء علیہ السلام (جن کی پر از حکمت تعلیمات کا ذکر قرآن میں ہے) کی زندگی کے ان پہلوؤں کو بھی زیر بحث لایا ہوں جن میں حکمت و دانائی کا عنصر بہت غالب ہے۔ میرا اس کتاب کی تالیف سے واحد مقصد یہ ہے کہ میں انبیاء کی حیات طیبہ کے اس پہلو کو عام قاری تک پہنچاؤں جس میں ہمیں روزمرہ کی زندگی میں راہنمائی کی ضرورت پڑتی ہے اور مطلوبہ راہنمائی ہمیں ملتی ہے۔

میں نے اس کتاب کو حضرت لقمان سے منسوب کیا ہے۔ کیونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت لقمان کی ذات میں حکمت اور دانائی کا وہ عنصر غالب تھا۔ جس نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا۔ اور قرآن جیسی عظیم کتاب میں ان کو ایک مخصوص سورۃ کے حوالے سے بقاء دوام میسر ہوا۔

حضرت لقمان کے بارے میں دو مختلف آراء ہیں۔ ایک یہ کہ تاریخ قدیم میں عادثانیہ کے ایک نیک دل بادشاہ تھے اور خالص عربی النسل تھے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ وہ سوڈان کے نوبی قبیلہ کے غلام تھے۔ پستہ قد۔ بھاری بدن۔ سیاہ رنگ اور حبشی النسل تھے۔ مگر ہر دو صورتوں میں آپ کی حکمت اور دانائی مسلم تھی۔ اور عرب میں ضرب المثل چلی آتی تھی۔ اس سے قطع نظر کہ بادشاہ تھے یا غلام مگر ایک بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ حکمت اور دانائی کے بے تاج بادشاہ تھے۔ بقول قرآن حکیم جس شخص کو حکمت کے خزانہ سے اللہ تعالیٰ نے حصہ دیا اسے خیر کثیر عطا کی اور اگر بادشاہ نہ بھی ہو تو اس کی قدر و منزلت بادشاہوں جیسی ہی ہوتی ہے۔ آپ ماضی قریب میں سلطان محمود غزنوی کے غلام ایاز کا تذکرہ تو کتب میں پڑھ چکے ہوں گے۔ وہ نہ صرف حکمت۔ دانائی۔ اخلاص۔ وفاداری کی وجہ سے دربار میں ایک منفرد مقام اور منصب کا حامل تھا۔ انسانی خوبیوں میں حکمت سب سے مقدم ہے۔ اور دیگر خوبیاں اس کے تابع ہیں۔ اور حکمت کے ساتھ ساتھ انسانی ذات میں داخل ہوتی چلی جاتی

ہیں۔

حضرت لقمان کے نام سے منسوب سورۃ میں ہمیں جن امور کی طرف اشارے ملتے ہیں وہ بھی حکمت کی لطافت آشکار کرتے ہیں۔ اس سورۃ میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے لقمان کو حکمت اور دانائی عطا کی۔ اور کہا کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ بس جو شخص اس کا شکر ادا کرتا ہے وہ اپنے نفس کے فائدے کے لئے کرتا ہے اور جو کفر کرتا ہے تو اللہ اس سے بے پروا ہے۔ مالک حمد ہے۔ (آیت نمبر ۱۲)

اس آیت میں حکمت کے ساتھ جس بات کا فوری ذکر آیا وہ صفت شکر ہے۔ شکر کرنے سے حکمت بڑھتی ہے۔ اور حکمت کا لازمی نتیجہ ذات انسانی کو شکر خداوندی کی طرف مائل کرنا ہے۔ لہٰذا یوں سمجھ لیجئے کہ حکمت اور شکر لازم و ملزوم ہیں۔ اگر ایک ذات میں حکمت کا عنصر ہے تو شکر کا ہونا لازمی ہے۔ اور اگر ایک شخص اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے میں پیش پیش ہے تو لازمی بات ہے کہ وہ شخص حکیم و دانا بھی ہو۔ حکمت کا عام تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے لئے سودمند پہلو تلاش کرے۔ اور ایسے پروگرام ترتیب دے جو بالآخر' انجام کار اس کے لئے مفید ثابت ہوں۔ لہٰذا اسی آیت میں فرمایا گیا کہ جو شخص اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ وہ اس شکر کی ادائیگی کے ذریعہ سے اپنے نفس کے لئے فوائد حاصل کرتا ہے۔ اور جو شکر کی بجائے کفر کا راستہ اپناتا ہے۔ اللہ اس سے رخ پھیر لیتے ہیں۔ بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح وہ قانون فطرت سے نبرد آزما ہو کر نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

اس آیت کے بعد حضرت لقمان کی وہ نصیحت ہے جو آپ نے اپنے بیٹے سے کی۔ اس نصیحت میں جو امور خاص طور پر زیر بحث آئے ہیں ان کا تعلق حکمت سے بلاواسطہ ہے۔ سب سے پہلے آپ اپنے بیٹے کو نصیحت فرماتے ہیں کہ اے بیٹے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرا۔ بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

توحید باری تعالیٰ میں کائنات کا اولین راز پوشیدہ ہے۔ جس کے بغیر انسان کو صحیح سمت اور رخ مل ہی نہیں سکتا۔ جب تک انسان اس کائنات کا مالک مختار۔ خالق رزاق ایک ذات کو نہ مانے گا۔ اس کی فکر اور سوچ درست سمت میں رواں ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ بنیاد ہے انسانی شخصیت کی تعمیر اور نوع انسانی کو ایک مقام پر

لانے کی جب انسان ایک ہستی کو تمام کائنات کا مرکز۔ محور۔ مالک۔ خالق۔ ملجا۔ ماوا تصور کرلے گا تو اس کی ذات سے پیدا ہونے والی تمام تر افکار صحیح سمت میں سفر کرتی چلی جائیں گی۔ توحید کی ضد شرک ہے۔ اور شرک سے انتشار ذات اور انتشار نوع انسانی پیدا ہوتا ہے۔ جب اس کائنات کے مالک اور مختار ہی ایک سے زائد ہو گئے تو نوع انسانی کا یکجا ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ انسانی فکر میں ہم آہنگی کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ ایک اقلیم میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے تو اس کائنات میں دو یا دو سے زائد خدا کیسے سما سکتے ہیں۔ لہٰذا شرک حکمت کی ضد ہے اور یہ ظلم عظیم ہے۔ اور عقیدۂ توحید باری تعالیٰ حکمت کی اصل ہے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کی دوسری نصیحت کے درمیان موقع کی مناسبت سے ایک حکم صادر کیا ہے۔ اور وہ ہے والدین کی قدر و منزلت کے بارے میں اور اس میں بھی شرک سے بچاؤ کی ترکیب اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔ والدین کے بارے میں فرمایا کہ اٹھاتی ہے انسان کو اس کی ماں تکلیف جھیل کر اور پھر دو برس تک دودھ پلاتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اس نے رحم مادر میں تخلیق کیا اور والدین کا شکر ادا کرے کہ والدہ نے پیٹ میں حمل کے دوران اٹھائے رکھا اور پھر پیدائش کے بعد دودھ پلایا اور والد نے تربیت کا دیگر سامان مہیا کیا۔ یہ تو تھی بات والدین کے حقوق کی۔ اب ایک ایسی صورت بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ والدین مشرک ہیں اور اولاد کو شرک کی ترغیب دیتے ہیں۔ تو ایسی صورت میں ان کی حکم عدولی کی اجازت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں والدین کی پیروی نہ کرو۔ ہاں مگر اس صورت میں بھی دنیوی زندگی میں ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا ہے۔ یہ انتہائی بلند اخلاق کی علامت ہے۔ والدین کے حقوق بتلانے کے ساتھ ایک اشتباہ کا پہلو تھا اسے واضح کر دیا۔ مگر شرک کی صورت میں حکم عدولی اور پیروی نہ کرنے کی اجازت کے ساتھ بھی ایک اشتباہ تھا کہ اس سے والدین سے ترک تعلق نہ ہو۔ بلکہ دنیوی تعلق اور نسبت قائم رکھی جائے اور ان کی دنیوی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھا جائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک میں کمی واقع نہ ہو۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو بیک وقت بہت

نازک بھی ہے۔ اور ذمہ داری' بردباری' بلند حوصلگی کا متقاضی بھی۔
اس کے بعد حضرت لقمان دوسری نصیحت اپنے بیٹے کو کرتے ہیں کہ اے بیٹے کوئی شے رائی کے دانے کے برابر چھوٹی ہو اور وہ پتھر کے اندر یا آسمانوں۔ زمینوں کی وسعت میں کہیں بھی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو لے آتے ہیں۔ اور دقیق مشاہدہ کرنے والے خبردار ہیں۔ شرک سے اجتناب کی نصیحت کے بعد اللہ تعالیٰ کے لطیف اور خبردار ہونے کی صفت کا اظہار ضروری تھا۔ تاکہ بیٹے پر اور اس کے ذریعہ تمام اہل دنیا پر یہ واضح ہو جائے کہ ایک ذات کو اپنا مالک اور ملجا تو سمجھ لیا ہے۔ مگر یہ مالک اور ملجا ایسا نہ ہے کہ تمہارے اعمال سے۔ افعال سے بے خبر ہو۔ بے خبر ہونے سے انصاف اور عدل کا قیام ممکن نہ ہے۔ کیونکہ انصاف کے تقاضے پورے ہونے کے لئے کماحقہ باخبر ہونا ضروری ہوتا ہے۔ خبر کا ذریعہ اگر ذاتی مشاہدہ ہے تو وہی خبر مستند ہے۔ اور اس خبر پر مبنی انصاف ہی عدل کے تمام تر تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ لہٰذا اب اللہ تعالیٰ کو باخبر ماننا ہی ایک ایسے کامل نظام کی بنیاد ہے۔ جس پر جزا و سزا اور معاد کا کلی نظام قائم ہو سکتا ہے۔ اگر اچھا کام کرنے والا خدا کے علیم اور خبیر ہونے کا ادراک رکھتا ہے تو وہ اس کام کے انعام کے لئے اپنے آپ کو تیار پاتا ہے۔ اور برائی کرنے والا اس ذات کے علیم و خبیر ہونے کی وجہ سے ہی برائی سے دامن کشاں ہو سکتا ہے۔

بیٹے کے دل میں توحید باری تعالیٰ۔ شرک سے اجتناب اور اللہ تعالیٰ کے لطیف و خبیر ہونے کا عقیدہ راسخ کر دینے کے بعد آپ نصیحت فرماتے ہیں کہ اے بیٹے نماز قائم کرو۔ نماز خدائے واحد کے سامنے بندے کے عجز و نیاز کے اظہار کا انتہائی موثر ذریعہ ہے۔ اس کے بعد آپ امربالمعروف اور نہی عن المنکر کی نصیحت فرماتے ہیں۔ کیونکہ دنیا میں عدل اور قوانین فطرت کی بالادستی کا دارومدار اس پر ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اپنے اوپر آنے والی ہر مشکل میں صبر سے کام لے۔ صبر حکمت کے دو اہم عناصر میں سے ہے جن میں مقدم شکر اور موخر صبر ہے۔ حکمت کی دو شاخیں ہیں۔ بلکہ حکمت بنیادی خط ہے۔ جس میں ▪ خطوط شکر اور صبر ہیں جو اوپر اٹھ رہے ہیں ▪ ذات خداوندی کی طرف ارتقائی سفر کرتے ہیں اور یوں یہ مثلث قائم ہوتی ہے۔

شکر و صبر کے خطوط کا نقطہ ارتکاز ذات رب جلیل ہے۔ پھر حضرت لقمان نے فرمایا کہ یہ جملہ امور عزائم امور میں سے ہیں۔

اس کے بعد بیٹے کو دیگر انسانوں میں اپنی ممتاز حیثیت کے باوجود حسن سلوک کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں۔ اے بیٹے زمین پر اترا کر مت چل۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تکبر اور شیخی کرنے والے کو اپنا دوست نہیں رکھتا۔ اے بیٹے اپنے رخساروں کو لوگوں سے نہ پھیر اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر۔ اور اپنی آواز کو نرم و پست کر دے۔ بے شبہ گدھے کی آواز بہت ہی ناپسندیدہ ہے۔

حضرت لقمان صاحب حکمت ہیں اور پھر جب بھی کوئی باپ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتا ہے تو وہ اپنی حکمت اور اپنے تجربے کا نچوڑ اور مغز بیان کرتا ہے۔ کیونکہ بیٹے سے بڑھ کر نصیحت پدری کا اور کوئی حق دار نہیں۔ بیٹے سے بڑھ کر باپ کو کسی اور شخص کے ساتھ رغبت نہ ہے۔ لہذا وہ بیٹے کا مستقبل سنوارنے کی شدید خواہش اور احساس ذمہ داری کے تحت وہی کچھ بیٹے سے کہے گا جو اس کے خزینہ علم و حکمت میں سب سے بہتر ہو گا۔ چنانچہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے جو کچھ کہا اسے میں خلاصہ کی صورت میں دہرا دینا چاہتا ہوں تاکہ قارئین کرام کو یہ جملہ امور ایک ہی مقام پر مطالعہ کے لئے مل جائیں۔ حضرت لقمان نے درج ذیل امور کی نصیحت فرمائی۔

۱۔ شرک سے بچنے کی۔ کہ شرک ظلم عظیم ہے۔
۲۔ اللہ تعالیٰ لطیف اور خبیر ہیں۔ اور دنیا کی ہر شے اور ہر فعل کا خواہ وہ کتنا ہی پوشیدہ اور مخفی کیوں نہ ہو ان کو علم ہوتا ہے۔
۳۔ نماز کو قائم کرنے کی۔ اقامت نماز
۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی۔
۵۔ صبر و استقامت کی۔
۶۔ زمین پر اترا کر نہ چلنے کی۔
۷۔ اپنے رخسار (منہ) لوگوں سے ازراہ تکبر نہ پھیرنے کی۔
۸۔ چال میں میانہ روی اختیار کرنے کی۔
۹۔ اپنی آواز میں نرمی پیدا کرنے کی۔

۳۲۶۷۷

میں نے زیرِ نظر کتاب کو حضرت لقمان سے منسوب کیا ہے کہ قرآن مجید نے ہی لقمان کی حکمت اور دانائی کو ضرب المثل بناتے ہوئے ان کو اس کتاب حکمت میں جگہ دی ہے۔ میں کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب ہوا ہوں اس کا جائزہ قاری پر چھوڑتا ہوں۔

حضرت آدم علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام تک۔

حضرت آدم علیہ السلام کے حالات زندگی قرآن حکیم میں تفصیل سے بیان نہیں ہوئے۔ ماسوائے قصہ تخلیق آدم اور فرشتوں کی رائے اور سجدہ اور انکار سجدہ کے بارے میں۔ لہٰذا ان کے حالات زندگی میں سے ایسے واقعات کو منتخب نہیں کیا جا سکتا جو مستند بھی ہوں اور حکمت و دانائی کا پہلو بھی رکھتے ہوں۔ البتہ ان کے قصہ کے ساتھ منسلک ہی ہابیل اور قابیل کا قصہ ہے جو قرآن میں بیان ہوا ہے۔ اس قصہ میں ہابیل اور قابیل نے قربانی پیش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ہابیل کی قربانی قبول فرمائی۔ اور قابیل کی مسترد کر دی جس پر اس نے غصہ میں آ کر ہابیل کو قتل کی دھمکی دے دی۔ ہابیل نے اسے کہہ دیا کہ وہ جو چاہے سو کر گزرے مگر ہابیل اپنے بھائی قابیل پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔ ہابیل کا یہ قول اور فعل حکمت اور دانائی سے پر ہے کیونکہ اس طرح اس نے قیامت تک کے لئے اپنے لئے ذکر خیر حاصل کر لیا اور ایک قبیح فعل سے بچ گیا۔ اگرچہ اسے عارضی زندگی سے ہاتھ ہی دھونا پڑا اور قابیل قیامت تک کے لئے ایک فعل بد یعنی قتل عمد کا مرتکب ہو کر اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں شامل ہوا بلکہ ایک قبیح فعل کا موجد بھی بنا اور یوں تمام نوع انسانی کی نفرت اور حقارت کا مورد ٹھہرا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام کی تعلیمات کا اجمالاً قرآن حکیم میں تذکرہ ہے۔ ہمیں ان کی زندگی کے واقعات تفصیل سے نہیں ملتے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا طرز استدلال اور انداز تبلیغ کا تذکرہ قرآن حکیم میں ضرور ہے۔ طوفان نوح اور حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کا غرق ہونا اور حضرت نوح علیہ السلام کا اس کے حق میں دعا کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کو مسترد کر دینا قرآن

بھی دعوت و تبلیغ کا یہ طریق موثر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ لوگ ہر ایسی آواز کو سننے کے متمنی ہوتے ہیں جس میں بے لوثی اور بے غرضی کی نغمگی شامل ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام کی ہستی وقار اور متانت کا مکمل مجسمہ تھی۔ آپ کی تبلیغ ٹھوس اور واضح اور طرز استدلال و طریق تبلیغ بڑا مدلل اور موثر تھا۔ آپ نے قوم کی درشتی۔ تمسخر اور استہزاء کا جواب ضبط و صبر سے دیا اور پھر بھی ان کی بھلائی کے جویا رہے۔ اخلاص۔ حسن نیت آپ کی ہر بات سے عیاں تھے۔ یہی آپ کی حکمت اور دانائی کا مظاہرہ تھا۔ جو آج کے مبلغ کے لئے ایک اعلیٰ و ارفع نمونہ ہے۔ آپ نے ہر سخت سے سخت الزام اور بات کے جواب میں قوم کے ساتھ جھگڑے۔ ٹکراؤ اور تکرار سے اجتناب کیا۔

حضرت صالح علیہ السلام۔

آپ قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ قوم ثمود عاد اولی کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بچ جانے والوں کی نسل سے تھی۔ اسے عاد ثانیہ بھی کہا جاتا تھا۔ یہ حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ میں آباد ہوئے۔ ان کو فن سنگ تراشی میں کمال حاصل تھا۔ پہاڑوں کو کاٹ کر عمارتیں تعمیر کرتے تھے۔ اور عالی شان محلات بناتے تھے۔ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہلاکت کا شکار ہو چکے تھے۔ یہ قوم بھی تمرد اور سرکشی میں قوم عاد سے کم نہ تھی۔ ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے مادی وسائل اور صنعت و حرفت میں بیشتر حصہ دے رکھا تھا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت پر ایمان لانے والوں کی مادی کمزوری کو طعن و تشنیع کا شکار بناتے اور کہتے کہ ہم وسائل میں برتری رکھتے ہیں اور خدا تو ہم پر مہربان ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم صالح علیہ السلام اور اس کے ساتھیوں پر مالی اور عددی برتری رکھتے ہیں۔ ان کی ان باتوں میں حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ساتھی الجھتے نہ تھے۔ اور نہ ہی اپنے اندر اس قسم کے استدلال سے کوئی کمزوری اور ایمان میں کمی پاتے تھے۔ وہ تو ایمان اور توحید باری تعالیٰ کے قائل تھے۔ اور فطرت کے رموز سے آشنا تھے۔

حکیم میں مذکور ہے تاہم ان کی زندگی کے دیگر واقعات پر سے پردہ نہیں اٹھایا گیا۔

نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی کے بعد قوم عاد زمین پر متمکن ہوئی۔ یہ قوم مادی وسائل میں بے پناہ ترقی کر چکی تھی۔ ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو مبعوث فرمایا۔ آپ نے اس بت پرست۔ مشرک قوم کو سب سے پہلے دعوت توحید دی۔ مگر انہوں نے آپ کی اس دعوت کو خاطر میں نہ لایا۔ اور آپ سے الجھ پڑے۔ اور آپ کو بے وقوف اور جھوٹا کہا۔ جس پر نبی کی حکمت ملاحظہ ہو کہ وہ ان سے الجھتے نہیں ہیں۔ بلکہ صرف یہ جواب دیتے ہیں کہ نہ تو میں بے وقوف ہوں۔ اور نہ ہی جھوٹا بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہوں اور اپنا فرض رسالت ادا کر رہا ہوں۔ اور تمہاری مخالفت کے باوجود ادا کرتا رہوں گا۔ حکمت اس میں یہ ہے کہ آپ ان کو دروغ گو اور احمق نہیں کہتے حالانکہ ان کی روش ایسی تھی کہ ان القابات سے باآسانی نوازے جاتے بلکہ انتہائی تحمل' تدبر' اور بردباری سے ان کے گھٹیا حملوں کا جواب بھی دیتے ہیں اور استدلال بھی پیش کرتے ہیں اور ان کو قوانین فطرت سے برسرپیکار ہونے پر وعید بھی دیتے ہیں۔ بالاخر وہ قوم اپنی روش پر اس قدر آگے نکل جاتی ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام سے اپنے خدا کے ذریعہ ان پر عذاب نازل کرنے کو کہہ دیتی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی تعلیمات اور طریقہ تبلیغ سے حکمت اور دانائی کا یہ پہلو نکلتا ہے کہ مرد حق بین و حق آگاہ اپنے خلاف الزامات اور افتراء سے لوگوں سے معاندانہ رویہ اختیار نہیں کرتا بلکہ اسے تو اپنے مشن سے کام رکھنا ہے۔ ہاں وہ ان کی تردید ضرور کرتا ہے۔ اور پھر دعوت تبلیغ میں آپ کا یہ واشگاف اعلان کہ میں اس ضمن میں کسی مادی مفاد کا طالب نہیں۔ کوئی اجر اور معاوضہ نہیں چاہتا۔ یہ تبلیغ دعوت کی ایسی حکمت ہے کہ ہر سننے والا اس سے متاثر ہوتا ہے کیونکہ عاد قوم مادہ پرست تھی اور مادی مفادات کو پیش نظر رکھنے والی تھی۔ لہٰذا ان میں تبلیغ کرنے والے کو دعوت کے ساتھ یہ اعلان واشگاف الفاظ میں کر دینا ضروری تھا تاکہ اس کی دعوت کے پیچھے کسی قسم کے مالی مفاد یا لالچ کا شائبہ نہ رہے۔ اور اس دعوت کو دینے والے مبلغ کی بے لوثی سے متاثر ہو کر دعوت کی طرف کشاں کشاں چلے آئیں۔ آج

دعوت و تبلیغ میں مستقل مزاجی کا عنصر یہاں بھی غالب نظر آتا ہے۔ اور حضرت ہود علیہ السلام کی طرح حضرت صالح بھی اس روش پر سختی سے قائم رہے تاآنکہ قوم کے اعمال بد کے نتیجہ میں اس پر خداوند تعالیٰ کا عذاب نازل ہو گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

اب انبیاء کے ایک ایسے گروہ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ جن کے سرخیل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ آپ سے قبل جن انبیاء کا تذکرہ ہے ان کے مدمقابل آنے والے اور ان کو جھٹلانے والوں میں اہل ثروت پیش پیش تھے۔ جنہیں قرآن کی اصطلاح میں "مالا الذین" کہا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل قبائلی نظام تھا اور ایک مستقل مرکزی سیادت و قیادت کا فقدان تھا۔ مگر حضرت ابراہیم کے وقت میں باقاعدہ بادشاہت قائم ہو چکی تھی اور اس ضمن میں بڑی پیش رفت ہو چکی تھی۔ پوری قوم کی قوت کا مرکز اور محور بادشاہ۔ مطلق العنان حکمران تھے۔ تاہم وہ بھی ایک ضابطے اور آئین کے پابند ہوا کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل دین حق کی تبلیغ میں انبیاء کو بت پرستوں کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہوتا تھا۔ اب بتان آذری کے ساتھ ساتھ ایک صاحب قوت و جبروت حکمران بھی ان بتوں میں شامل ہو کر مزاحمت پر اتر آئے تھے۔ کیونکہ ان کو اپنے تخت و تاج کا دفاع بھی کرنا ہوتا تھا۔ جس پر انبیاء کی تعلیم کاری ضرب لگاتی تھی۔ لہٰذا اب جہاں تہذیب و تمدن نے ترقی کر لی تھی وہاں تبلیغ دین کا کام اور مشکل ہو چکا تھا۔ کیونکہ بادشاہ کی طرف سے مزاحمت انبیاء اور ان کے پیروکاروں کے لئے مزید مشکلات کا پیش خیمہ بن جاتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طرز استدلال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تہذیب و تمدن اور انسانی ذہن نے اس قدر ترقی کر لی تھی کہ ان کے ساتھ دلیل و براہین سے بات کی جا سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے دلائل و براہین کا ایک اچھوتا پیرایہ اپنایا ہے اور دعوت و تبلیغ میں حکمت کے ایسے موتی بکھیرے ہیں جو آج کے ترقی یافتہ معاشرہ میں بھی دمکتے نظر آتے ہیں۔

آپ سب سے پہلے اپنے والد جو بت تراش تھے اور فن بت تراشی ان کا پیشہ بھی تھا اور مرتبہ بھی۔ ان سے مخاطب ہوتے ہیں کہ اے والد ماجد آپ کو کیا ہوا کہ اپنے ہی ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سن سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ نفع دے سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ یہ استدلال روزمرہ کی زندگی کے مشاہدات پر مبنی ہے۔ مگر والد سختی سے جھڑک دیتا ہے۔ تو آپ اس سے الگ ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد آپ قوم سے مخاطب ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ یہ تماثیل کیا ہیں جن کے آگے تم سجدہ ریز ہوتے ہو۔ کیا یہ تمہیں نفع اور نقصان پہنچانے کی سکت رکھتے ہیں۔ قوم اس طرز استدلال کا جواب نہ رکھتی تھی۔ لہٰذا وہی دقیانوسی جواب کہ ہم تو کچھ نہیں جانتے البتہ ہم اپنے آباؤ اجداد کی روش پر قائم ہیں۔ پھر آپ اپنے رب کے اوصاف حمیدہ گنواتے ہیں۔ میرا رب جہان کا رب ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا اور ہدایت دی۔ جس نے میرے لئے سامان رزق فراہم کیا۔ جب میں بیمار ہو جاؤں تو شفا دیتا ہے۔ جو مجھے موت دے کر پھر زندہ کرے گا۔ مجھے اس سے توقع ہے کہ انصاف کے دن میری تقصیریں معاف کر دے گا۔

آپ کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ دعائیں بھی حکمت سے لبریز ہیں۔ آپ خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ سے اپنی۔ اپنی اولاد کی بخشش اور کشائش رزق کی دعائیں مانگتے ہیں۔ جو آپ کے نافرمان ہیں ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے غفران اور رحم کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ آپ کے حلم اور رحمدلی کی دلیل ہے۔

اب آپ باطل پر کاری ضرب لگانے کی تدبیر کرتے ہیں۔ ہوتا یوں ہے کہ قوم کا ایک مذہبی تہوار تھا۔ قوم اس کے لئے چلی گئی مگر آپ علالت کا کہہ کر میلے میں شمولیت کے لئے نہ گئے۔ جب ساری قوم۔ بادشاہ۔ کاہن۔ مذہبی پیشوا میلہ میں مصروف تھے۔ اور شراب و کباب میں مشغول تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تدبیر کو عملی جامہ پہنانے کی طرف پیش قدمی کی۔ سب سے بڑے دیوتا کے مندر (ہیکل) میں پہنچے۔ وہاں بتوں سے خطاب کیا۔ ان کے سامنے رکھی ہوئی کھانے کی اشیاء کے بارے میں دریافت کیا کہ اسے کھاتے کیوں نہیں ہو۔ اور میری باتوں کا

جواب کیوں نہیں دیتے۔ پھر ان سب بتوں کو توڑ ڈالا اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر تبر رکھ کر چلے گئے۔ کاہنوں اور سرداروں نے جب یہ سنا تو غصہ سے لال پیلے ہو گئے۔ انہوں نے سوچ بچار کے بعد معلوم کر لیا کہ یہ کاروائی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے۔ لہٰذا آپ کو طلب کیا گیا۔ آپ مجمع کے سامنے آئے تو اس موقع کو اپنی تبلیغ کے لئے نہایت موزوں پایا۔ آپ نے جس حکمت سے اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنایا تھا۔ اب وقت آگیا تھا کہ اسی حکمت سے باطل پر ایک اور ضرب لگائی جائے اور کاہنوں' بت پرستوں کو بتا دیا جائے کہ ان کے معبودان باطل تو ذرا بھر قوت کے مالک بھی نہ ہیں۔ "تو اپنا دفاع ہی نہیں کر سکتے لہٰذا " تمہیں کیا دیں گے۔ قرآن کے حوالے سے تو یہ مکھی کا پر بھی نہیں بنا سکتے بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی شے لے اڑے تو یہ واپس لینے کی قدرت بھی نہیں رکھتے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اپنے بڑے بت سے معلوم کر لو کہ یہ کس نے کیا ہے۔ انہوں نے شرمندہ ہو کر کہا کہ بت تو بولنے کی تاب نہیں رکھتے۔ پھر آپ نے مختصر مگر جامع نصیحت کی اور کہا کہ جب یہ دیوتا نفع اور نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ تو معبود اور خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ افسوس تم اتنا بھی نہیں سمجھتے اور عقل سے کام نہیں لیتے۔

ایک تدبیر سے قوم کے ساتھ میلہ میں شامل نہ ہونا اور پھر بتوں کو توڑنا اور بڑے بت کو سلامت رہنے دینا۔ اور قوم کے سامنے آنے پر ان کو بڑے بت سے دریافت کرنے کی دعوت دینا۔ اور اس طرح مدلل اور جامع انداز میں ان پر اپنے باطل اور بودے عقائد کا پول کھولنا ایک خاص حکمت عملی کے ساتھ اپنی تدبیر کو آگے بڑھانا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حکمت اور دانائی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔

اس کے بعد آپ کا مباحثہ بادشاہ وقت کے ساتھ ہوتا ہے۔ عراق پر اس وقت جو حکومت تھی ان کے بادشاہوں کو نمرود کہا جاتا تھا۔ جس طرح مصر کے بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ نمرود کے ساتھ مباحثہ بالکل مختصر ہے۔ اس میں حکمت کا عنصر یوں غالب ہے کہ نمرود نے جب خدائے براہیمی کی صفت کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میرا خدا وہ ہے جو موت و حیات پر قدرت رکھتا ہے۔ اس پر نمرود جو اس وقت عراق کا مطلق العنان حکمران تھا نے کہا کہ یہ صفت تو مجھ میں بھی ہے۔

یعنی میں بھی کسی زندہ شے کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہوں اور موت کی دہلیز کی طرف بڑھتے ہوئے شخص کو موت کے منہ میں جانے سے بچا سکتا ہوں۔ اگرچہ اس کا اعتراض بودا اور کمزور تھا۔ مگر حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ بحث میں نہ الجھا جائے اور اسے طول دینے کی بجائے ایسی برہان قاہرہ لائی جائے کہ کافر کے پاس اس کا جواب نہ ہو۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی پہلی دلیل پر بحث کو طول دینے کی بجائے دوسری دلیل پیش کی اور وہ یہ تھی کہ میرا خدا ■ ہے جو ہر روز سورج کو مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب۔ بس تو اسے مغرب سے نکال کر دکھلا دے۔ یہ وہ قانون قدرت تھا جس پر نہ تو نمرود کا بس تھا اور نہ ہی وہ اس قسم کا دعویٰ کرنے کی جسارت کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ مبہوت رہ گیا۔ اور اس کے دعویٰ خدائی کی حقیقت کا پول سرعام کھل گیا۔ اس میں حکمت یہی ہے کہ کج بحثی کو طول دینے کی بجائے دلیل قاہرہ پیش کی جائے۔ جس کے رد کی قدرت کافر کے پاس نہ ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے وطن مالوف ار (عراق) کو خیرباد کہا اور دین حق کی خاطر ہجرت کی اور دریائے فرات کے غربی کنارے کے قریب ایک بستی میں جا کر قیام کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام جو آپ کے بھتیجے تھے۔ وہ اور حضرت سارہ رضی اللہ عنہا ہمراہ تھیں۔ آپ وہاں سے فاران کی طرف ہجرت کر گئے۔ اور بعد ازاں فلسطین پہنچے۔ پھر فلسطین کی غربی اطراف سے سفر کرتے ہوئے مصر جا پہنچے۔ جہاں ■ مشہور واقعہ پیش آیا۔ جس کے نتیجے میں فرعون مصر نے آپ کو حضرت ہاجرہ زوجیت میں دے دیں۔ حضرت ہاجرہ فرعون مصر کی بیٹی تھیں مگر اس زمانے کے رواج کے مطابق پہلی بیوی کی خدمت ایک ملازمہ اور لونڈی کی طرح کرتی تھیں جس سے یہ مشہور ہوا کہ وہ فرعون کی لونڈی تھیں۔ مصر سے واپسی پر کنعان۔ (فلسطین) میں مستقل آباد ہوئے۔ حضرت ہاجرہ سے اللہ تعالیٰ نے پہلی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام عطا کی۔ اور بعد ازاں حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو غیر زرعی وادی میں (مکہ) چھوڑ کر چلے گئے۔ اور یوں مکہ کی وادی کی آبادی کا سامان ہوا۔ مکہ میں حضرت اسماعیل اور ان کی والدہ کو چھوڑنا اور پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اور ان کے بدلے میں دنبے کی قربانی میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں آج بھی ان سے اہل اسلام

متمتع ہو رہے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات والا صفات حکمت و دانائی کا نمونہ تھی۔ اور آپ کی تاریخی شخصیت کے وہ تمام پہلو جن کا ذکر قرآن حکیم میں ہے حکمت سے معمور نظر آتے ہیں۔ آپ کے ہجرت کرنے اور اپنی اولاد کی ایک شاخ کو مکہ میں آباد کرنے۔ خانہ خدا کی تعمیر اور اس کے ساتھ نسبت قائم کرنے اور آپ کی وقت تعمیر اللہ تعالیٰ سے اپنی آئندہ نسل اور نوع انسانی کی بہتری اور فلاح کے لئے دعائیں کرنے سے آپ کی حکمت عیاں ہے۔

مصر سے ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم کنعان (فلسطین) آ گئے۔ جبکہ حضرت لوط علیہ السلام شرق اردن کے علاقہ سدوم میں جا آباد ہوئے۔ اور وہاں اپنی قوم کی عمومی برائیوں کی اصلاح کے لئے مواعظ و نصیحت کرتے رہے۔ مگر قوم اپنی مکروہ حرکتوں سے باز نہ آئی اور بالآخر قہر خداوندی کا شکار ہو گئی۔

قرآن حکیم میں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے حالات زندگی تفصیل سے درج نہ ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا خواب سنایا تو بچپنے کے باوجود آپ کا جواب تھا کہ اے والد محترم آپ نے جو کچھ خواب میں دیکھا ہے کر گزریئے آپ انشاء اللہ مجھے صابر اور شاکر پائیں گے۔ ایک کم عمر بچے کا یہ جواب ہونہار بروا کے چکنے پات ہی تو تھے۔ اور پھر یہ حکمت کہ ان کے والد محترم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے۔ لہٰذا ان کا خواب سچا تھا۔ اور ان کو اس پر عمل کرنے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام نے تقویت اور استقامت دی۔ یہ ان کی حکمت کی دلیل ہے۔

حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام۔

حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ آپ کا تذکرہ قرآن حکیم میں یوں تو دس مقامات پر نام کے ساتھ آیا ہے۔ مگر آپ کا بیشتر ذکر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے ساتھ ہی آیا ہے۔ آپ کا نام عبرانی میں

اسرائیل تھا۔ جو اسرا۔ (بندہ) اور ایل (اللہ) دو لفظوں سے مرکب ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ "عبداللہ" ہے۔ یعقوب اس لئے کہلاتے تھے کہ آپ جڑواں پیدا ہوئے اور جڑواں بھائی عیسو کے بعد پیدا ہوئے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی حیات مطہرہ میں حکمت کے گوشے حضرت یوسف علیہ السلام کے احسن القصص کے حوالے سے بیان ہوئے ہیں۔

آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پیشانی میں چمکتا ہوا نور نبوت دیکھ لیا تھا۔ اور آپ کو حضرت یوسف سے بے پناہ محبت تھی۔ جو برادران یوسف کو گراں گزرتی تھی۔ حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو " خواب کہ گیارہ ستارے اور شمس " قمر ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ اپنے دوسرے بھائیوں سے نہ کہنے کی تلقین کی۔ آپ کو اندیشہ تھا کہ یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائی ان کے ساتھ کوئی چال نہ چل جائیں۔ اور بعد میں ایسا ہی ہوا۔ آپ کی اس نصیحت میں حکمت اور دانائی پوشیدہ تھی۔ اور آپ کو برادران یوسف کی یوسف علیہ السلام کے بارے میں سوچ اور فکر سے کماحقہ آگاہی حاصل تھی۔

جب برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں شکار پر ساتھ لے جانے کی اجازت مانگی تو آپ نے تامل کیا۔ جس پر یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتبار نہیں کرتے۔ اس پر بھی حضرت یعقوب نے واضح الفاظ میں اس لئے بیان نہ کیا کہ اس طرح ایک تو والد اور بیٹوں میں عدم اعتماد کی صورت واضح ہو جاتی ہے اور بیٹوں میں عدم اعتماد کی حالت میں باہمی دشمنی اور عداوت کا پیدا ہو جانا یقینی ہے اور دوسرے یہ کہ کہیں وہ اس کھلے عدم اعتماد کو دیکھتے ہوئے حضرت یوسف کو آزار پہنچانے میں سرعت سے کام نہ لیں۔ لہٰذا حضرت یعقوب کا جواب بھی انسانی نفسیات کے عین مطابق تھا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے رنج اور دکھ ہوتا ہے کہ تم اس کو ساتھ لے جاؤ اور یہ خوف رہتا ہے کہ کہیں تم غافل ہو جاؤ اور بھیڑیا اُسے کھا جائے۔

جب برادران یوسف اپنی بنی بنائی کہانی لے کر آتے ہیں تو اس پر بھی آپ فرماتے ہیں کہ مجھے تمہاری گھڑی ہوئی اس کہانی پر اعتبار نہیں ہے۔ تاہم میں صبر

جمیل کرتا ہوں۔ اور اللہ سے مدد کا طالب ہوں۔ یہاں بھی آپ نے ان کو جتلا دیا۔ مگر واضح الفاظ میں انہیں مورد الزام بھی نہ ٹھہرایا۔ اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ جب تک عینی یا واقعاتی واضح شواہد سامنے نہ ہوں کسی پر الزام عاید کر کے اس کی دشمنی مول نہیں لینی چاہیئے۔ آپ ان کو مورد الزام ٹھہرا کر ان کو اپنے خلاف نہ کرنا چاہتے تھے۔ جب تک کہ ان کے خلاف ٹھوس اور واضح شہادت نہ مل جاتی۔

برادران یوسف جب مصر سے لوٹ کر آتے ہیں اور دوبارہ غلہ لینے کے لئے بن یامین کے ہمراہ مصر جانے کی اجازت چاہتے ہیں تو یعقوب علیہ السلام ایک تدبیر فرماتے ہیں۔ جس سے دنیاوی حکمت اور دانائی عیاں ہوتی ہے آپ نے اپنے بیٹوں کو فرمایا کہ جب مصر میں داخل ہو تو ایک ہی دروازے سے اندر داخل مت ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے مصر میں داخل ہونا۔ یہ اس لئے تھا کہ ایک غیر ملک میں اس شان و شوکت اور کروفر سے داخل ہونا اہالیان شہر کی توجہ خصوصی کا باعث بن سکتا ہے۔ اور یوں باہر سے آنے والوں کو کسی اجنبی شہر کے باسیوں کی نظروں سے جس قدر ممکن ہو اوجھل رہنے میں ہی عافیت ہے۔ ایک ہی دروازے سے داخل ہونے سے شہریوں کی توجہ ان کی طرف مبذول ہو سکتی ہے۔ جبکہ مختلف دروازوں سے داخلہ سے نہیں۔ کیونکہ ایک گروہ اور جتھا انسانوں کی توجہ کا مرکز بن سکتا ہے۔ جبکہ ایک فرد نہیں۔ اور یوں ہر غور کرنے والا شخص ان کی اس طرح آمد کو مشکوک نظروں سے بھی دیکھ سکتا ہے۔

اس نصیحت کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو فرمایا وہ بھی حکمت اور دانائی سے لبریز ہے۔ اور ایک ایسے شخص کی طرف سے ہے۔ جسے حق تعالیٰ نے اپنا برگزیدہ بندہ منتخب کر لیا تھا۔

آپ فرماتے ہیں کہ اس نصیحت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم اپنی تدابیر پر مغرور ہو بیٹھو۔ کیونکہ میں تمہیں کسی ایسی بات سے ہرگز نہیں بچا سکتا جو اللہ کی طرف سے ہونے والی ہو۔ فرمانروائی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے۔ میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے۔ اور تمام بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اسی لئے میں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف احتیاطی تدابیر کے طور پر ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خدا پر

یقین اور ایمان کے ساتھ اسباب ظاہری کو احتیاطی تدابیر کے لئے استعمال کرنا نہ صرف درست ہے بلکہ فراست اور عقلمندی کے عین مطابق ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا جو تذکرہ قرآن حکیم میں ملتا ہے۔ اس میں حکمت اور دانائی کے لاتعداد پہلو نکلتے ہیں۔ انسانی زندگی میں مختلف ادوار آتے ہیں۔ کبھی کے دن بڑے کبھی کی راتیں۔ کبھی مشکل ہے تو کبھی آسانی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ان حقائق سے لبریز ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اسے احسن القصص کہا ہے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو برادران یوسف نے چاہ کنعان میں ڈالا تو وہ دس بارہ سال کے سن میں تھے۔ کیونکہ اپنے خواب کی تفصیل اور پھر والد صاحب کی نصیحت کے سمجھنے کی سوجھ بوجھ رکھتے تھے۔ اور اس سن میں بچے میں گردوپیش کا شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ مگر حجازی اسماعیلوں کے چاہ کنعان سے نکالنے پر آپ نے ان کو اپنے والد کا نام اور پتہ نہ بتلایا ہو گا۔ اور نہ ہی اپنے ساتھ پیش آنے والا قصہ انہیں سنایا ہو گا۔ وگرنہ بعید نہ تھا کہ وہ آپ کو آپ کے والد محترم تک پہنچا دیتے مگر آپ تو راضی برضا کی منزل سے آشنا ہو چکے تھے اور آپ کو علم و یقین تھا کہ یہ تمام مصائب اور راستے کی سختیاں آپ کو کشاں کشاں اپنی عظیم منزل مقصود کی طرف لئے جا رہی ہیں۔ اگر آپ یہ خاموشی اختیار نہ کرتے تو بعید نہ تھا کہ آپ پھر سے اپنے والد محترم کی آغوش پدری میں ہوتے اور آپ کی اگلی منزل آپ سے دور ہوتی چلی جاتی۔ آپ کی یہ خاموشی ہی آپ کی حکمت تھی۔

آپ کو یہ قافلہ مصر کے تہذیب و تمدن کے گہوارہ شہر میں لے آتا ہے۔ آپ ایک بدوی قبیلہ کے فرد اور مصر کی تہذیب یہ سب آپ کی تربیت کا اہتمام تھا۔ جس کے اسباب پیدا کئے جا رہے تھے۔ بازار مصر میں آپ کو مصری افواج کے ایک افسر اور شاہی خاندان کے فرد۔ فوطیفار نے خرید لیا۔ آپ نے اسے بھی اپنی خاندانی وجاہت اور بزرگی کے بارے میں کچھ نہ بتلایا اور اس کے گھر میں ایک زر خرید غلام کے روپ میں رہنے لگے۔ آپ کے اس عمل سے یہ حکمت عیاں ہے کہ انسان پدرم سلطان بود کے مصداق اپنے خاندان کی عظمت اور بڑائی کے ڈونگرے نہ بجاتا رہے

بلکہ اپنے اندر ایسا جوہر خودی پیدا کرے کہ "مشک ان است کہ خود بوید نہ کہ عطار بگوید" کے مصداق اس کا گردوپیش اس کے عادات و اطوار اور کردار سے متاثر ہو۔ ایک غلام جو بھرے بازار میں بک رہا ہے۔ اگر اپنی خاندانی عظمت کے بارے میں بڑے بڑے دعوے کرے گا تو لوگ اسے سودائی اور خبطی سمجھ کر منہ پھیر لیں گے۔ اور یوں لوگوں کی نظروں میں کوئی مقام حاصل کرنے کی بجائے گرتا چلا جائے گا اور اگر ایک حقیر زر خرید غلام اپنے کردار اور خوبیوں کی بناء پر اپنا مقام بنائے گا تو ہر کوئی اس کی عزت اور احترام کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ اور یہی طریق حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنایا۔

حضرت یوسف کے پسندیدہ اطوار اور اخلاق حسنہ کی بناء پر رئیس مصر نے آپ کے ساتھ غلاموں والا معاملہ نہ کیا بلکہ آپ کو اپنی اولاد کی طرح عزت و احترام سے رکھا اور اپنی ریاست۔ دولت و ثروت اور گھریلو معاملات میں آپ کو ذمہ دار بنا دیا۔ یہ آئندہ کی جہاں بانی اور جہانداری کی تمہید اور تربیت کا انتظام تھا۔

قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی خوبیوں میں ایک خوبی تاویل الاحادیث بیان ہوئی ہے۔ آپ کو یہ ملکہ حاصل تھا کہ آپ بات کی تہہ تک پہنچ جاتے تھے اور کہنے والے کی گفتگو کے ظاہری اور مخفی مطالب کو سمجھ لیتے تھے۔ گفتگو جہاں اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ وہاں اخفاء کا اسلوب بھی ہے۔ انسان گفتگو اسی لئے کرتا ہے کہ وہ اپنا مافی الضمیر دوسرے تک پہنچانا چاہتا ہے اور گفتگو کا دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ کہنے والا بسا اوقات ایک بات کر کے دوسرے کئی پہلوؤں کو مخفی رکھنا چاہتا ہے۔ آپ بات کرنے والے کے مقصد اور مطلب تک پہنچ جاتے تھے اور یوں بات کے تمام پہلوؤں پر آپ کو عبور حاصل تھا۔ اس کے علاوہ تعبیر رویاء میں آپ ید طولیٰ رکھتے تھے۔ اور یوں آپ کی ذات کی یہ خوبی بھی تاویل احادیث کی ہی ایک کڑی تھی۔ الغرض آپ معاملہ فہم۔ مردم شناس۔ زیرک۔ اور عقل سلیم کے مالک تھے۔

عزیز مصر کی بیوی جب آپ کے حسن ظاہر و باطن پر فریفتہ ہو گئی تو اس نے خودسپردگی کے عالم میں آپ کو دعوت گناہ دی۔ دروازے بند۔ عالم تنہائی۔ جوانی۔ ایک بت رعنا کی طرف سے دعوت۔ مگر حضرت یوسف کا جواب حکمت کے کتنے ہی

پہلو اپنے اندر لئے ہوئے تھا۔ آپ نے اس عورت کو جو عقل و خرد سے کنارہ کش ہو کر جذبات کے طوفان و طغیان میں بہہ رہی تھی۔ یہ کہا۔

۱۔ بی بی تیرا خاوند جس کی تو امانت ہے۔ تیرا مربی ہے۔

۲۔ اس نے تجھے عزت سے رکھا ہے۔

۳۔ جس اقدام کی تو مجھے دعوت دیتی ہے یہ سراسر ظلم ہے۔ یہ فی النفسہ ہی ظلم ہے۔ اور ان حالات میں یہ بہت بڑا ظلم ہے کہ ایک مربی اور محسن کی امانت میں خیانت ہے۔

۴۔ اور یہ کہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔

آپ نے اس عورت کو صرف یہ نہ کہا کہ یہ گناہ ہے۔ اور میرے رب کی طرف سے فعل ممنوعہ ہے۔ بلکہ دلیل دے کر اس کی توجہ اس امر کی طرف مبذول کرائی کہ اے احسان فراموش عورت۔ تیرا تو اس شخص سے زندگی کا ساتھ ہے۔ اور شخص میرا مربی اور محسن ہے۔ تو اپنے مربی اور محسن کی امانت میں خیانت کرنا چاہتی ہے۔ مگر میں نہیں۔ آپ جس عورت سے گفتگو کر رہے تھے وہ گناہ و ثواب کے امتیاز سے کہیں آگے نکل گئی تھی اور دنیادار عورت تھی۔ اسے اس کے محسن اور اپنے محسن کے حوالے سے قائل کرنے کی ضرورت تھی۔ تاکہ اس محسن کا خیال آتے ہی ممکن ہے اس کے سفلی جذبات' ماند پڑ جائیں۔ اور جنسی آگ جو اس کے اندر بھڑک رہی تھی سرد ہو جائے۔ آپ نے عین نفسیاتی علاج تجویز کیا۔

آپ دروازے کی طرف بھاگے۔ عزیز مصر کی بیوی نے پیچھا کیا۔ دروازہ کھل گیا۔ سامنے عزیز مصر اور اس عورت کا چچا زاد بھائی کھڑے تھے۔ یہاں عورت کا روایتی مکر و حیلہ سامنے آتا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی فوراً حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام تراشی کر دیتی ہے اور کہتی ہے کہ اس شخص کی سزا کیا ہے جو تیرے اہل کے ساتھ برا ارادہ رکھتا ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام حق پر ہیں اور حق کا خاصا یہ ہے کہ حق پر ہونے والا شخص جزع فزع نہیں کرتا۔ وہ سکون اور اطمینان کا مظاہرہ کرتا ہے خواہ مشکل سے مشکل حالات میں ہی کیوں نہ گھر جائے۔ آپ نے صرف یہ فرمایا کہ اس عورت نے مجھے میرے نفس کے بارے میں پھسلایا تھا۔ (آپ یہاں انسانی

نفس کے بارے میں ایک ابدی اور آفاقی حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ اس نے مجھے دعوت گناہ دی تھی۔ آپ نے بتلایا کہ انسانی نفس بارود کے ذخیرہ کی مانند ہے۔ دعوت گناہ دینے والا تو صرف دیاسلائی جلاتا ہے) آپ نے ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ تمام تر صورتحال کو بھانپ کر اس عورت کا چچا زاد بھائی کہہ اٹھتا ہے۔ یہ شخص دانا اور صاحب فراست تھا اور منصف مزاج بھی اور اس آیت کریمہ کے مصداق "و اذا تلتم فعدلو و لوکان ذا قربی" اپنی بات کہہ دیتا ہے۔ جو بات حکمت اور دانائی کے خزانے لئے ہوئے ہے اور اسے اس بات کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ اس بات سے جو نتیجہ نکلے گا وہ اس کی عم زادی کے خلاف بھی جا سکتا ہے۔ اس شاہد عادل' صاحب بصیرت نے تو واقعات اور شہادتوں کے مطابق حق بات کہنی ہے اور یہاں واقعاتی شہادت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ■ کہتا ہے۔ اگر پیراہن یوسف سامنے سے چاک ہے تو عورت سچی ہے۔ اور (یوسف) جھوٹا ہے۔ اور اگر پیراہن پیچھے سے چاک ہے تو عورت کاذب ہے اور (یوسف) صادق ہے۔ جب قمیض کا معائنہ کیا گیا تو ■ پیچھے سے پھٹی تھی۔ یوں ایک واقعاتی شہادت پر انحصار کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام کی بریت کا اعلان کیا گیا۔ آج بھی عدالتی فیصلوں میں یہ جملہ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ زبانی شہادت تو جھوٹی ہو سکتی ہے۔ مگر واقعاتی شہادت جھوٹی نہیں ہو سکتی۔

دعاء یوسف علیہ السلام :-

آپ نے عزیز مصر کی بیوی اور زنان مصر کی فریفتگی کو بھانپ لیا اور آنے والی مشکلات کا اندازہ لگا لیا۔ آپ نے فرمایا۔

۱۔ اے رب جس بات کی طرف یہ مجھ کو بلاتی ہیں۔ مجھے اس سے قید و بند کی صعوبتیں زیادہ پسند ہیں۔

۲۔ اے رب اگر تو نے میری مدد نہ کی۔ اور ان کے مکر کو مجھ سے نہ ہٹایا۔ تو میں کہیں ان کی جانب نہ جھک جاؤں۔

۳۔ اور ان کی جانب جھکاؤ مجھے جاہلوں میں سے نہ بنا دے۔

اس دعا میں آپ زنان مصر کے مکر و فن سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی مدد کے طالب ہوتے ہیں- قید و بند کی تکالیف میں مبتلا ہونے کو ان کی دعوت کو قبول کرنے پر ترجیح دیتے ہیں اور یہ بھی فرما دیتے ہیں کہ ان کی دعوت کو قبول کرنا جہالت کی علامت ہے-

یوسف علیہ السلام قید میں :-

آپ کی حکمت کے جوہر قید میں بھی پوشیدہ نہ رہ سکے- سچ ہے آپ خوشبو کو کتنے پردوں میں ڈھانپ دیں وہ چھپی نہیں رہ سکتی- آپ کے قید کے دو ساتھی تھے- ایک شاہی ساقی- اور ایک شاہی باورچی خانے کا داروغہ- ایک روز دونوں آپ کے پاس آئے اور اپنے خواب بیان کر کے تعبیر چاہی- شاہی ساقی نے بتلایا کہ اس نے خواب دیکھا ہے کہ وہ شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہے- دوسرے نے بتلایا کہ اس نے خواب دیکھا ہے کہ اس کے سر پر روٹیوں کا خوان ہے- اور پرند اس میں سے کھا رہے ہیں-

آپ نے ان دونوں سے مخاطب ہو کر کہا اے میری قید کے ساتھیو- اللہ تعالیٰ نے مجھے علم کی روشنی عطا کی ہے- اس سے پہلے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک آئے میں تمہاری خوابوں کی تعبیر تمہیں بتا دوں گا- مگر میری دعوت تبلیغ کو بھی غور سے سنو- آپ فرماتے ہیں-

۱- کیا جدا جدا معبود بہتر ہیں یا ایک خدا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے-

۲- تم اس کے سوا جن کو پوجتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ وہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ چھوڑے ہیں-

۳- اللہ نے اس بارے میں کوئی سند نازل نہیں کی-

۴- حکومت اللہ ہی کے لئے ہے-

۵- اس اللہ کا فرمان یہ ہے کہ صرف اور صرف اسی کی بندگی کرو اور اس کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کرو-

۶- یہی سیدھا دین ہے- مگر اکثر انسان اس کا علم نہیں رکھتے-

ذرا ملاحظہ ہو۔ قید کا ماحول ہے۔ دو قیدی آپ سے اپنی خوابوں کی تعبیر چاہتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ آپ کے علم اور صداقت کا شہرہ انہوں نے سن رکھا تھا۔ آپ کے اوصاف حمیدہ انہوں نے قید میں خود مشاہدہ کئے تھے۔ آتے ہیں تو آپ ان کو اپنی مشکلات۔ مصائب کا تذکرہ نہیں کرتے آپ ان کو اپنی بے گناہی کا ثبوت فراہم نہیں کرتے۔ آپ بے گناہ قید و بند میں ڈالنے پر واویلا نہیں کرتے بلکہ فوری طور پر اپنے فرائض نبوت سے عہدہ برا ہوتے ہیں۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تعلیم موثر اور مدلل انداز میں دیتے ہیں۔ یہ انداز ایک نبی کا انداز ہے۔ جس کے مختلف گوشے آج بھی ہماری رہنمائی کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ان میں حکمت اور دانائی کے موتی ہر دور کی تاریکی میں اپنی آب و تاب سے ماحول کو روشن رکھنے کے لئے موجود ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ توحید باری تعالیٰ کی تعلیم اور تبلیغ ہی سب حکمتوں کا مخزن ہے اور سب دانائیوں کا سرمتین ہے۔

بعد میں ہر دو کو ان کے خوابوں کی تعبیر بتلائی اور ساقی کو کہا جب دوبارہ آزادی کے بعد اپنے منصب پر فائز ہو جائے تو اپنے مالک سے حضرت یوسف علیہ السلام کا تذکرہ کرے۔ آپ نے اس طرح یہ کہہ کر اسباب ظاہری کے وسیلہ اور ان سے مدد لینے کو جائز اور روا کر دیا۔ آپ کا یہی طریق دنیا میں جاری و ساری ہے۔ اور حق بات کے لئے اسباب ظاہری کا تعاون حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں ممنوع اور خلاف شرع نہ ہوا اور یہ عمل حق کوشی اور خدا پرستی کے خلاف نہیں۔ آپ کے تین لفظوں "**اذکرنی عند ربک**" نے آنے والے حق پرستوں کو ایک پروگرام اور لائحہ عمل دے دیا۔

آپ ابھی زندان میں ہی تھے کہ اس زمانے کے فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں اور سات دبلی گائیں اور دبلی گائیں موٹی کو نگل گئیں۔ سات سرسبز و شاداب بالیں اور سات خشک بالیں۔ خشک نے سرسبز و شاداب کو کھا لیا ہے۔ فرعون نے درباریوں سے اس خواب کی تعبیر چاہی۔ جب ناکام رہے تو ساقی نے بادشاہ سے مہلت چاہی اور حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور خواب سنا کر تعبیر چاہی۔ یہاں آپ کا عمل یہ تھا کہ آپ نے اسے خواب کی تعبیر بھی دی۔ خواب

کے ذریعہ آنے والے حالات سے آگاہ کیا۔ جو مسائل اور مصائب آئندہ درپیش آنے والے تھے ان کا حل بھی بتلایا۔

آپ نے ساقی کو اس کے بھول جانے اور سالہا سال تک آپ کا تذکرہ بادشاہ سے نہ کرنے پر کوسا نہیں۔ اپنے قید کرنے والوں کے متعلق کوئی حرف شکایت زبان پر نہ لائے اور تعبیر خواب دینے کے ساتھ حل مسائل بھی بتلایا اور پھر ساقی کو یہ نہ کہا کہ آپ کا تذکرہ کرے۔ کیونکہ اب آپ جانتے تھے کہ تذکرہ کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ تھا۔ اب یہ واضح امر تھا کہ جب ■ تعبیر لے کر جائے گا تو بادشاہ اس سے تعبیر دینے والے کے بارے میں استفسار کرے گا۔ کیونکہ ساقی کی اہلیت اور قابلیت تو بادشاہ کی دیکھی بھالی تھی اور پھر اس نے دربار میں مہلت مانگی تھی۔ اگر خود تعبیر دے سکتا تو فوراً بتلا دیتا۔ لہٰذا آپ نے اب اسے یاد نہ کرایا کہ اپنے مالک سے میرا تذکرہ کرنا۔

ساقی نے جب تعبیر خواب بتلاتے ہوئے آپ کا تذکرہ کیا تو فرعون نے آپ کو دربار میں طلب کر لیا۔ جب بادشاہ کا آدمی آپ کو دربار میں لانے کے لئے حاضر ہوا تو آپ نے اپنے الزام کے بارے میں تحقیق کا مطالبہ کیا۔ اہل حق کا طریق یہ ہے کہ جب قید و بند کی صعوبتوں میں مبتلا ہوتے ہیں تو تحقیق الزام کا مطالبہ اس شدت سے نہیں کرتے جس سے رہا ہوتے وقت کرتے ہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ قید و بند میں مبتلا ہونے سے قبل تحقیق کا مطالبہ قید و بند کی صعوبتوں سے احتراز کی بناء پر ہو سکتا ہے۔ جب کہ تحقیق الزام کا مطالبہ اور ■ بھی رہائی کے وقت صرف اور صرف شرف ذات کے تقاضوں کے پیش نظر ہوتا ہے۔ قید و بند میں جانے سے پہلے اگر ایسا مطالبہ ہو تو حکومت وقت تحقیق کے مثبت نتیجہ کی صورت میں رہائی دلا کر معاملہ کو ختم کر سکتی ہے۔ کیونکہ اس وقت قید سے رہائی ہی مسئلہ کا سب سے بڑا حل ہوتا ہے۔ جبکہ رہائی کے وقت ایسے مطالبے کا مطلب صرف اور صرف شک و شبہ سے بالاتر الزام کو غلط اور بے بنیاد ثابت کرنے کی ایسی کوشش تھی۔ جو ایک نبی اور نبی زادہ کے اوصاف حمیدہ کا حکومت وقت سے اعلان کرانا مقصود تھا۔ اور یہ امر اس دعوت اور تبلیغ کے لئے بھی ضروری تھا جو بعد میں حضرت یوسف علیہ السلام کا نصب العین

بننے والا تھا۔

آپ کے اس مطالبہ پر وہی ہوا جو آپ کی خواہش تھی۔ زنان مصر کو فرعون نے بلوایا اور سب نے یک زبان ہو کر یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا اعلان کیا۔ عزیز مصر کی بیوی تو آپ کی بے گناہی کے بیان میں بہت آگے نکل گئی۔ اور تمام تر الزام اپنے سر لے لیا۔ اور اس طرح آپ کے ساتھ کی جانے والی زیادتی کی تلافی کرنے کی کوشش کی۔ یوں آپ کا یہ مطالبہ کہ میں رہائی اس وقت قبول کروں گا جب مجھ پر عاید الزام کی بات تحقیق کے ذریعہ سے صاف ہو جائے مطلوبہ نتائج کا حامل ہوا۔ اور آپ ایک باعصمت۔ پاکباز۔ پاک دامن۔ حق شناس انسان کی حیثیت میں زندان سے باہر نکلے اور عزت و احترام سے دربار شاہی میں لائے گئے۔ جب بادشاہ سے گفتگو ہوئی تو آپ نے حکمت و دانش کی بڑی اہم بات بیان کی۔ آپ نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے اپنی مملکت کے خزانوں پر مامور کر دو۔ کیونکہ میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں۔ اور میں کام کے جاننے والا بھی۔

آپ نے یہ بات کہہ کر اپنی خدمات پیش کیں اور ایک بڑے منصب پر تقرری چاہی۔ اس تقرری میں ایک پہلو تو خدمت نوع انسانی کا تھا۔ مگر یہ منصب بڑی تکریم کا حامل تھا اور دنیوی اعزاز کی ایک صورت بھی۔ لہٰذا آپ نے اس کا مطالبہ کرنے کے ساتھ ہی اپنا استحقاق بھی بیان کر دیا اور یوں یہ بات واضح کر دی کہ جب بھی کسی عہدہ یا منصب کا مطالبہ کیا جائے وہاں استحقاق کو مدنظر رکھا جائے اور یہ بات مطالبہ کرنے والے کو بھی ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ حفاظت کا تعلق کردار سے ہے اور علم کا تعلق استعداد کار سے ہے۔ عظیم منصب کے لئے صاحب کردار اور صاحب بصیرت اصحاب کا انتخاب ہی مسائل دنیوی کا علاج ہے۔

اس طرح مسند جلالت پر جلوہ افروز ہو جانے کے بعد آپ نے آنے والی قحط سالی کے متعلق تمام ضروری تدابیر کر لیں اور گندم کو ذخیرہ کرنے کا ایسا طریقہ اپنایا جس سے گندم کے خراب ہونے اور اسے کیڑہ لگنے کا احتمال ختم ہو گیا۔ یہ طریقہ گندم کے دانوں کو اس کے خوشوں سمیت انبار کرنے کا تھا۔ اگرچہ اس طرح ذخیرہ کرنے کے لئے زیادہ جگہ درکار ہوتی ہے۔ مگر اس کے بالمقابل نقصان اور ضیاع سے بھی بچا

جا سکتا ہے۔

آپ کے بھائی کنعان سے والد کے کہنے پر غلہ کے حصول کی خاطر تشریف لاتے ہیں۔ آپ اپنے بھائیوں کو فوراً پہچان لیتے ہیں۔ مگر وہ آپ کو نہیں پہچان پاتے۔ آپ ان سے تمام تر مطلوبہ معلومات حاصل کر لیتے ہیں۔ اور ان کے سامنے اپنے آپ کو ظاہر بھی نہیں ہونے دیتے۔ حتیٰ کہ آپ ان کو کہتے ہیں کہ آئندہ اگر وہ غلہ لینے کے لئے آئیں تو اپنے چھوٹے بھائی جس کے حقیقی بھائی کی گمشدگی کی وجہ سے تمہارا باپ اسے کسی طرح جدا کرنے پر رضامند نہیں ہوتا ساتھ لائیں اور اگر ایسا نہ کیا تو غلہ ہرگز نہ ملے گا۔ آپ نے جاتے ہوئے ان کی پونجی بھی کجاوں میں رکھوا دی۔ اور اس طرح ان کی واپسی کی ترغیب کا مکمل انتظام کر دیا۔ اور اسی مہربانی کا حوالہ انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بن یامین کے ساتھ چلنے کی استدعا کرتے ہوئے دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے صرف حضرت بن یامین کو اپنی شناخت کرائی۔ اور بعد ازاں چلتے ہوئے ان کے سامان میں چاندی کا شاہی پیالہ ان کو روک لینے کی غرض سے رکھ دیا۔ اور یوں بن یامین کی تلاشی پر جب وہ پیالہ ان کے سامان سے نکل آیا۔ اور انہیں وہاں روک لیا گیا تو ان کے بھائیوں نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے یہ تک کہہ دیا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ یہ بے بنیاد الزام اپنے بارے میں سننے کے باوجود خاموش رہے۔ اور نہ ہی غصہ کیا نہ ان کو جھٹلایا کہ ابھی تک اپنے بارے میں انکشاف کرنے کا وقت نہ آیا تھا۔ حضرت بن یامین کو روکنا بھی اسی لئے مقصود تھا کہ یہ ملاپ بعد ازاں تمام خاندان کے ملاپ کا پیش خیمہ بننے والا تھا۔ اور پھر حضرت بن یامین کے رکنے کے بعد بڑے بھائی نے تسلیم کیا کہ اس سے قبل حضرت یوسف کے ساتھ بدسلوکی کر چکے ہیں۔

جب تیسری مرتبہ حضرت یوسف کے پاس آئے تو کسمپرسی کا عالم تھا۔ قحط سے بے حال تھے اور غلہ خریدنے کی استطاعت سے محروم۔ چنانچہ انہوں نے عاجزانہ انداز میں استدعا کی۔ تو حضرت یوسف نے استفسار کیا کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ اس پر انہوں نے آپ کو پہچان لیا اور آپ سے اپنے سابقہ سلوک کی معافی چاہی اور آپ نے خندہ پیشانی اور کھلے دل سے ان کو

معاف فرما دیا اور والد محترم کے لئے اپنی قمیض ان کے حوالے کی۔ آپ نے یہاں بھی دو خوبصورت باتیں کیں۔ کہ جو شخص اللہ سے ڈرا۔ اور جس نے صبر کیا۔ وہ محسن ہے اور اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

آپ نے اپنے بھائیوں کے نادم ہونے پر ان کو فوراً معاف کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی اپنا پیراہن دیا کہ یہ والد محترم کی آنکھوں پر لگانا بینائی آ جائے گی۔ اور ان کو ہدایت کی کہ تمام خاندان کو مصر لے آؤ۔ یہ آل ابراہیم کی ارض کنعان سے ہجرت تھی۔ جو آپ کے ایماء پر کی گئی۔ کیونکہ مصر میں تہذیب و ترقی کے روشن امکانات تھے اور ساتھ ہی وسائل رزق کی فراوانی تھی اور آپ نے حکومت میں اپنے عمل دخل کی بناء پر اپنے تمام خاندان کو مصر میں آباد کرنے کی ٹھان لی۔

اس کے علاوہ برادران یوسف پہلے حضرت یوسف کا پیراہن دریدہ لے کر والد محترم کے پاس ایک نحس خبر لائے تھے۔ اب وہی حضرت یوسف کا سلامت پیراہن لے کر یہ خوشخبری لے جانے پر مامور ہوئے اور یوں انہیں حضرت یوسف سے اپنے کیئے کی معافی مل جانے کے بعد اپنے باپ کے سامنے اعتراف گناہ کا موقع ملا اور ساتھ ہی طلب معافی کا۔ یہاں ایک بہت ہی باریک نکتہ قرآن حکیم میں بیان ہوا ہے۔ جب برادران یوسف نے حضرت یوسف سے معافی مانگی تو آپ نے فوراً معاف کر دیا۔ مگر جب انہوں نے حضرت یعقوب سے معافی مانگی تو آپ نے فرمایا کہ میں عنقریب اپنے رب سے تمہارے لئے مغفرت کی دعا کروں گا۔ یہ فرق مفسرین کی رائے میں اس لئے تھا۔

۱۔ برادران یوسف کی غلطی کا براہ راست تعلق حضرت یوسف سے تھا۔ لہٰذا انہوں نے تو فوراً معاف کر دیا۔

۲۔ حضرت یوسف جوان تھے۔ اور رشتہ میں سوتیلے بھی۔ آپ اگر معاف کرنے میں تاخیر برتتے تو شکوک و شبہات جنم لیتے۔ اور جوان ہونے کی وجہ سے حزم اور احتیاط کا عنصر ذرا کم ہوتا ہے۔

۳۔ حضرت یعقوب اپنے ان بیٹوں کی استقامت کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی اپنی خواہش معافی کا اظہار بھی کر دیا اور اسے موخر بھی۔

۴۔ اصل معافی کا اختیار تو خداوند کریم کو ہی ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندے تو صرف درخواست ہی کر سکتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی قیادت میں ان کا سارا خاندان جو تورات کے مطابق ستر نفوس پر مشتمل تھا مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف نے شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا اور ان کو تزک و احتشام اور عزت و اکرام کے ساتھ مصر کے دارالخلافہ رعمیس میں لایا گیا۔ اور شاہی محل میں اتارا پھر دربار لگا اور والدین کو تخت شاہی پر خاص مقام عطا کیا گیا۔ اس عزت و تکریم کے بعد حضرت یوسف نے سجدۂ شکر بجا لایا۔ اور فرمایا۔ اے پروردگار تو نے مجھے حکومت عطا کی۔ اور باتوں کے مطلب اور نتائج کے اخذ کرنے کی تعلیم دی۔ اے آسمان اور زمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں اور آخرت میں۔ جب میں دنیا سے رخصت ہوں تو تیری فرمانبرداری میں اور تیرے نیک بندوں میں شامل ہوں۔

فرعون مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کے خاندان کو مصر میں آباد ہونے کی دعوت دی۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے والد محترم کو عرض کی کہ جب فرعون آپ کو مع اہل خانہ مصر میں رہنے کی دعوت دے تو آپ اسے قبول کر لیں اور اگر وہ زمین اور مقام کے انتخاب کے بارے میں کہے تو آپ فلاں حصہ زمین طلب کریں جو شہری زندگی سے علیحدہ ہے اور مویشی پالنے کے لئے موزوں ہے۔ اس طرح آپ نے اپنے خاندان کو شہری زندگی کی آلودگی سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حسب نسب' خون اور تہذیب کو بھی محفوظ کر لیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات زندگی سے ہمیں مندرجہ ذیل دنیوی امور میں حکمت کے روشن پہلو راہنمائی کے لئے ملتے ہیں۔

۱۔ صبر و استقامت کے ساتھ مشکلات کا مقابلہ کرنا۔

۲۔ قوت ایمانی کے ساتھ ضبط نفس کا اعلیٰ ترین مظاہرہ۔

۳۔ اپنے محسن اور مربی کی امانت اور عزت کا پاس کرنا۔ خواہ اس کے لئے کتنے مصائب ہی کیوں نہ جھیلنے پڑیں۔

۴۔ آپ جب بھاگ کر دروازے سے نکل رہے تھے تو سامنے عزیز مصر اور اس کی بیوی کا ایک رشتہ دار آ گئے۔ وہاں عزیز مصر کی بیوی نے فوراً ہی عورتوں کے روایتی

کردار کا مظاہرہ کیا اور تمام تر الزام حضرت یوسف پر لگا دیا۔ عزیز مصر کے ساتھ جو شخص تھا وہ دانا اور بینا ہونے کے ساتھ قلب سلیم کا مالک تھا اور منصف المزاج بھی۔ اس نے عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ رشتہ داری کا پاس نہ کرتے ہوئے بڑے حکیمانہ انداز میں مسئلہ کا حل یہ پیش کیا کہ اگر حضرت یوسف کی قمیض سامنے سے پھٹی ہے تو یہ عورت سچی ہے اور اگر قمیض پشت سے پھٹی ہوئی ہے تو یوسف سچے ہیں۔ اور عورت جھوٹی ہے۔ قمیض پشت سے پھٹی ہوئی تھی۔ یہ واقعاتی شہادت کی صداقت کی ایک بڑی دلیل جس کو بنیاد بناتے ہوئے آج بھی ہماری اعلیٰ عدالتیں Circumstancial Evidence پر فیصلہ دیتے ہوئے یہ تحریر کرتی ہیں کہ انسان جھوٹ بول سکتا ہے مگر واقعات جھوٹ نہیں بولتے۔

۵۔ آپ قید کر دیئے گئے تو آپ نے جزع فزع نہ کی۔ تاہم جب دو قیدیوں نے جیل میں آپ سے رابطہ کیا تو آپ نے ان کے سامنے اپنے مصائب کی گٹھڑی نہ کھولی۔ بلکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی تبلیغ کی جو فریضہ نبوت میں شامل ہے۔

۶۔ آپ نے ان کو خوابوں کی تعبیر بتانے کے بعد اس شخص کو جس نے آزاد ہو کر پھر خدمت شاہی پر مامور ہونا تھا کہا کہ وہ اپنے بادشاہ کے سامنے آپ کا تذکرہ کرے۔

۷۔ جب بادشاہ کے خواب کی تعبیر آپ نے بتلا دی تو بادشاہ نے آپ کی رہائی اور ملاقات کی خواہش کا پیغام بھجوایا تو آپ نے جیل سے باہر آنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار میں بڑی حکمت پوشیدہ تھی۔ آپ چونکہ داعی الی اللہ تھے۔ لہٰذا آپ کے لئے یہ ضروری تھا کہ آپ پر لگائے گئے الزامات کی چھان بین ہو اور آپ کی بے گناہی اور عصمت ثابت ہو تاکہ آئندہ کے لئے ابہام رفع ہو جائے اور کسی کو یہ کہنے کو موقع نہ ملے کہ آپ نے ایک الزام میں قید و بند کی صعوبتیں بسر کی ہیں۔ لہٰذا تحقیق کی گئی اور عزیز مصر کی بیوی اور دیگر عورتوں جنہوں نے آپ کے خلاف یہ الزام عاید کیا تھا اپنے قصور کا اعتراف کیا اور آپ کی بے گناہی کی خود شہادت دی۔

اگر آپ پہلے حکم پر باہر نکل آتے تو خطرہ تھا کہ یہ مسئلہ حل طلب ہی رہ جاتا اور اگر آپ کے باہر آنے کے بعد وہ عورتیں اپنے قصور کا اعتراف بھی کر لیتیں تو کہا

جا سکتا تھا کہ اب اثر و رسوخ کی بناء پر ایسا ہوا ہے۔ لہٰذا آپ نے جیل سے نکلنے سے انکار کر کے بڑی حکمت کا ثبوت فراہم کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ اگر انسان سچا ہو اور اس کا موقف درست ہو تو پھر اس کے لئے جیل کی دیواروں کے اندر یا باہر زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا لہٰذا آپ نے رہائی کے پروانے پر کسی جلدبازی کا تاثر نہ دیا۔

۸۔ جب آپ الزامات سے بالکل بری الذمہ ہو کر باہر آئے اور بادشاہ سے آپ کی گفتگو ہوئی۔ اور وہ آپ کی وجاہت ظاہری اور حکمت باطنی سے متاثر ہوا تو اس نے کہا کہ آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانتدار ہے۔ جب آپ نے بادشاہ وقت کو اپنی طرف مائل پایا۔ تو بروقت فرمایا۔

"اے بادشاہ۔ اپنی مملکت کے خزانوں پر مجھے مامور کر دے۔ کیونکہ میں حفاظت کر سکتا ہوں اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں" آپ کے یہ دو جملے اپنے اندر حکمتوں کا سمندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

ا۔ یہ کہ آپ نے بادشاہ کو مائل پا کر اپنی خدمات پیش کیں۔

ب۔ ایک بہت بڑے منصب کی طلب کی۔ کیونکہ منصوبہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو جب تک عملی جامہ پہنانے کے وسائل اپنے ہاتھ میں نہ ہوں ■ مطلوبہ نتائج برآمد نہیں کر سکتا۔ تاریخ عالم میں ایسے بے شمار منصوبے جو بہت عمدہ تھے اور جن کو بڑی نیک نیتی سے تیار کیا گیا عملی زندگی میں صرف عمال کی بدنیتی اور عدم دلچسپی کی وجہ سے ناکام ہوئے۔ لہٰذا آپ نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے اپنے خزائن پر مامور کرو۔ یہ بڑا جامع منصب تھا۔ غالباً عزیز مصر کا منصب تھا جو آج کے دور میں وزارت عظمیٰ کے برابر ہے۔ آپ نے تمام کاروبار مملکت کو چلانے کا اختیار مانگ لیا۔ مگر منصب طلب کرنے کے ساتھ ہی اپنے Merits بھی بیان کر دیئے کیونکہ یہ طلب جاہ طلبی کے جذبہ کی بناء پر نہ تھی۔ آپ نے Merit بتلایا کہ میں امانت دار ہوں اور کاروبار مملکت کو چلانے کا علم رکھتا ہوں۔ امانت داری کا عنصر پہلے ہے اور پھر علم کا ہونا۔ یہ دو خصوصیات ہر منصب کے لئے ضروری بھی ہیں اور Merits کا کام بھی دے سکتی ہیں۔ امانت داری سے نیک نیتی' راستبازی اور عظمت کردار کی جھلک ملتی ہے۔ اور

کسی منصب کو کامیابی سے چلانے کیلئے علم کی بھی اشد ضرورت ہوا کرتی ہے۔ آپ نے منصب کی طلب کی مگر اپنی Qualifications ساتھ ہی بیان کر دیں۔

۹۔ پھر برادران کے ساتھ حسن سلوک۔

۱۰۔ والد محترم کا احترام۔ اور پھر ان کو مصر آنے کی دعوت۔ اور مصر میں شہر رعمیس کے باہر خانوادہ یعقوب کا استقبال اور پھر والدین کو۔ بھائیوں کو اور اہل خانہ کو عزت و اکرام کے ساتھ رعمیس میں لے کر جانا اور تخت شاہی پر ان کو خاص مقام دینا۔

۱۱۔ قحط سالی میں بڑی کامیابی کے ساتھ بچائے ہوئے غلے کی تقسیم۔

۱۲۔ والد محترم کو اپنے اہل خانہ کے ہمراہ مصر میں قیام پر آمادہ کرنا۔ اور پھر فرعون مصر کی دعوت پر حضرت یعقوب کی رضامندی حاصل کر کے دیہات کی سرزمین حاصل کرنا۔ تاکہ آل ابراہیم شہری زندگی کی آسائشوں کا شکار نہ ہو اور اپنے حسب و نسب' خون اور تہذیبی اثاثے کو محفوظ رکھ سکے۔

۱۳۔ یہ ہی وہ آل یعقوب ہے جس نے بعد ازاں مصر کی تعمیر و ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا اور جن کی صناعی اور کاریگری نے مصر کی دولت میں اضافہ کیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل کو مصر سے نکالنے کا مسئلہ پیش کر دیا تو فرعون مصر بنی اسرائیل کے چلے جانے سے مصری معیشت پر منفی اثرات کو بھانپ گیا اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے اس عزم کی مخالفت کی۔

حضرت شعیب علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک۔

آپ مدین قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی کے بطن سے بیٹے مدین کے نام سے موسوم ہے۔ یہ قبیلہ بحر قلزم کے شرقی کنارے اور عرب کے مغرب شمال میں شام کے متصل حجاز کے آخری حصہ میں آباد تھا۔ اور حجاز والوں کو شام' فلسطین' مصر تک جانے میں اس قبیلہ کی بستیوں کے کھنڈر راہ میں پڑتے تھے اور یہ تبوک کے بالمقابل آباد تھے۔ مدین اور اصحاب ایکہ ایک ہی قبیلہ کے دو نام ہیں۔ اور قرآن میں ان کو "امام مبین" شاہراہ اعظم پر آباد بتلایا گیا ہے۔

آپ و ہوا کی لطافت۔ نہروں کی کثرت نے اہل مدین کے علاقے کو سرسبز و شاداب اور پر فضا بنا دیا تھا۔ ان کے پاس پھلوں کے باغات تھے۔ الغرض یہ اپنے زمانے میں اہل دولت و ثروت تھے۔ اور زراعت' صنعت و حرفت و تجارت میں کافی ترقی کر چکے تھے۔ ان کی سماجی برائیوں میں بت پرستی عام تھی۔ تجارت میں لیتے پورا تھے اور دیتے کم تھے۔ معاملات میں بددیانتی اور کھوٹ گھر کر چکے تھے اور شاہراہ پر بسنے کی وجہ سے تجارتی قافلوں پر ڈاکے ڈالنا ان کا مشغلہ تھا۔

حضرت شعیب نے ان کو بڑی حکمت۔ استدلال اور دلسوزی کے ساتھ دین حق کی تبلیغ کی۔ آپ بڑے فصیح و بلیغ مقرر تھے۔ شیریں کلامی۔ حسن خطابت۔ طرز بیان میں اس وقت میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

آپ کی تبلیغ کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"اے قوم ایک خدا کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ کوئی پرستش کے لائق نہیں۔

خرید و فروخت میں ناپ تول کو پورا رکھو۔ اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں کھوٹ نہ کرو۔ کل تک ممکن ہے تم کو ان بداخلاقیوں کی برائیوں کا حال معلوم نہ ہوا ہو۔ مگر آج تیرے پاس خدا کی حجت۔ نشانی اور برہان آ چکی۔ اب جہل و نادانی عفو و درگذر کے قابل نہیں ہے۔ حق کو قبول کر اور باطل سے باز آ۔ کہ یہی کامرانی اور کامیابی کی راہ ہے۔ اور خدا کی زمین میں فتنہ و فساد نہ کر۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی صلاح و خیر کے تمام سامان مہیا کر دیئے ہیں۔ اگر تم میں ایمان و یقین کی صداقت موجود ہے تو سمجھو کہ یہی فلاح و بہبود کی راہ ہے۔ اور دیکھو ایسا نہ کرو کہ دعوت حق کی راہ کو روکنے اور لوگوں کو لوٹنے کے لئے ہر راہ پر جا بیٹھو اور جو آدمی بھی ایمان لائے اس کو خدا کی راہ اختیار کرنے پر دھمکیاں دینے لگو۔ اور اس میں کج روی پیدا کرنے کے درپے ہو جاؤ۔ اے افراد قوم اس وقت کو یاد کرو۔ اور خدا کا احسان مانو کہ تم بہت تھوڑے تھے پھر اس نے امن و عافیت دے کر تمہاری تعداد کو بیش از پیش کیا۔"

آپ نے فرمایا۔ "اے میری قوم! ذرا اس پر غور کرو کہ جن لوگوں نے خدا کی زمین پر فساد پھیلانے کا شیوہ اختیار کیا تھا ان کا انجام کس قدر عبرتناک ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت مجھ پر ایمان لے آئی اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صرف اتنی ہی بات پر معاملہ ختم ہو جانے والا نہیں۔ بلکہ صبر کے ساتھ انتظار کرو۔ تاآنکہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان آخری فیصلہ کر دے۔ اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔"

آپ نے بڑی حکمت سے قوم کو ان کی اخلاقی۔ معاشرتی۔ سماجی برائیوں کی نشاندہی کر کے روکا اور ان کو سابقہ اقوام کی تباہی کے واقعات سناتے ہوئے ان پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا تذکرہ کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام۔

قرآن حکیم میں آپ کا تذکرہ بڑی تفصیل سے آیا ہے۔ اور آپ کے تذکرہ میں حکمت کی بڑی اعلیٰ مثالیں بیان کی گئی ہیں۔ جن کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے۔ میں

آپ کے قرآنی تذکرہ میں دنیوی حکمت کے اہم نکات کا تذکرہ کروں گا۔

۱۔ آپ کی پیدائش پر آپ کو صندوقچہ میں دریا کے حوالے کرنے کے ساتھ آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کی بہن کو ہدایت کی کہ وہ دیکھتی جائے کہ اس صندوقچہ کو کون پکڑتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ آپ کی بہن دریائے نیل کے ساتھ ساتھ اجنبیوں کی طرح چلتی چلی گئی۔ یہ اس لئے کہ کسی کو یہ شک نہ ہو کہ یہ لڑکی مسلسل اسی صندوق پر کیوں نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

۲۔ آپ کو فرعون کے گھر والوں نے اٹھا لیا اور آپ کو آغوش ملکہ مصر تک پہنچا دیا۔ مگر جب فرعون کی بیوی نے اپنے خاوند کے تیور دیکھے جو سمجھ گیا تھا کہ یہ بچہ اسرائیلیوں کا ہی ہو سکتا ہے۔ کہ اس کے والدین نے بادشاہ کے خوف سے اسے دریا کی لہروں کے حوالے کر دیا ہے۔ تو آسیہؓ نے حکیمانہ انداز میں درخواست کی کہ اس بچے کی جان بخشی کر دی جائے۔ آپ نے کہا کہ یہ بچہ تو میرے اور تیرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اسے مت مارو۔ کچھ بعید نہیں کہ یہ ہمارے کام آئے اور ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک فرعون اولاد نرینہ سے محروم تھا اور اولاد نرینہ کی اسی شدید خواہش نے آسیہؓ کو درخواست کرنے پر مجبور کیا۔ اور آپ نے بچے کے زندہ رہنے میں فرعون کیلئے افادیت کے پہلو کو پیش کر کے درخواست کی۔

۳۔ آپ شاہی محل میں پرورش پاتے رہے مگر آپ کو علم ہو چکا تھا کہ آپ شاہی خاندان کے فرد نہ ہیں بلکہ بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی تعلق نے اور پھر مصریوں کے ہاتھوں اسرائیلیوں کی مسلسل تذلیل نے آپ کو اسرائیلیوں کی حمایت پر آمادہ کیا اور بالآخر ایک اسرائیلی کی حمایت کرتے ہوئے آپ کے ہاتھوں بلاارادہ ایک مصری کا قتل سرزد ہو گیا۔ اور آپ فوراً خدا کے حضور میں معافی کے طالب ہوئے۔ ظلم اور گناہ نادانستہ طور پر انسان سے سرزد ہو سکتے ہیں۔ مگر حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ فوری طور پر خدائے بزرگ و برتر کی طرف رجوع کرے۔ توبہ کے ذریعہ معافی کا طالب ہو۔

۴۔ دوسرے دن پھر وہی اسرائیلی ایک اور قبطی سے جھگڑ رہا تھا۔ اس نے موسیٰ علیہ

السلام کو دیکھ کر پھر مدد کے لئے پکارا۔ آپ اس کی اس حرکت سے جھنجلا گئے اور آپ نے اسے جھڑکا اور کہا کہ تو بھی "بلاشبہ کھلا گمراہ ہے" اس پر اسرائیلی نے سمجھا کہ موسیٰ علیہ السلام اسے نہ چھوڑیں گے لہٰذا چلا اٹھا کہ جس طرح تو نے کل ایک جان کو ہلاک کیا ہے۔ اسی طرح آج مجھے قتل کر دینا چاہتا ہے۔ اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھانپ گئے کہ یہ شخص جھگڑالو ہے۔ اور اسے اس کی حرکات پر تنبیہہ کی۔ مگر جیسا کہ مشہور ہے کہ نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہے۔ اور اس اسرائیلی کے روز کے جھگڑے سے اس کی طبیعت کی ناپختگی اور جلدبازی ظاہر تھی۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی اس راز کو افشاء کر دیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ اسی طرح آج بھی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ بسا اوقات ایک دون فطرت انسان پر احسان کرنا بھی اپنے آپ کو مصیبت میں پھنسانے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

۵۔ موسیٰ علیہ السلام کا قانون فرعون سے فرار اسی امر کی دلالت کرتا ہے کہ جب آپ کا قصور بلاارادہ ہے۔ تو ایسے قانون سے جس میں آپ کو اندیشہ ہو کہ جرم کی ظاہری صورت کو بہانہ بنا کر آپ کو شدید سزا کا مستوجب قرار دیا جا سکتا ہے فرار اختیار کرنا عین حکمت ہے۔

۶۔ آپ کے اخلاق حسنہ سے خاندان فرعون میں ایسے افراد پیدا ہو چکے تھے جو بادشاہ کے ارادہ اور مرضی کے خلاف درپردہ آپ کا ساتھ دیتے تھے۔ ایسے ہی ایک شخص نے فرعون کے ارادہ سے آپ کو آگاہ کر کے وہاں سے ہجرت کا مشورہ دیا۔

۷۔ آپ ارض مدین کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ نے وقت ضائع کئے بغیر اس شخص کی اطلاع اور مشورہ پر فوری عمل شروع کر دیا۔ نہ رفیق' نہ رہنما' نہ زادراہ ساتھ لئے برہنہ پا ہی وہاں سے چل پڑے۔ مدین کی آبادی مصر سے آٹھ منزل پر تھی۔ آپ نے اس آبادی کو غالباً اسی لئے منتخب کیا کہ یہ آپ کے قرابت دار تھے۔ مدین میں آپ ایک کنوئیں پر پہنچے۔ جہاں آپ نے جانوروں کی بھیڑ دیکھی جن کو پانی پلایا جا رہا تھا۔ مگر دو لڑکیاں وہاں کھڑی اپنے جانوروں کو پانی کی طرف جانے سے روک رہی تھیں۔ یہ ایک ایسی قبائلی زندگی کا منظر تھا جس میں معیشت کا انحصار مویشی پالنے پر

تھا۔ آپ بھانپ گئے کہ وہی معاشی اور معاشرتی ناانصافی کا دور دورہ یہاں بھی ہے۔ جسے ▪ اپنے پیچھے مصر میں چھوڑ کر آئے ہیں۔ لڑکیوں کا کنویں پر پانی پلانے آنا اس امر کی دلیل ہے کہ ان کی افرادی قوت کمزور ہے۔ اور یہی قوت اس معاشرہ میں عظمت کی دلیل تھی۔ لہٰذا آپ بھانپ گئے کہ جس معاشرہ میں وہ آ چکے ہیں وہاں بھی وہی جنگل کا قانون کارفرما ہے۔ حسب معمول آپ کے جذبہ ہمدردی نے جوش مارا اور آپ نے بڑھ کر لڑکیوں سے دریافت کیا تو انہوں نے اپنی کمزوری اپنے والد کے بڑھاپے کا ذکر کر کے بتایا کہ جب کنویں پر تمام لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا چکیں گے تو ان کی باری آئے گی۔ میرے خیال میں۔ "First come first serve" کا اصول اس معاشرہ میں نہ تھا۔ بلکہ طاقتور اولٹی خور تھا اور Merit کو نظرانداز کرنے کا یہ طریق آج تک انسانی معاشرہ میں جاری و ساری ہے۔ آپ نے بڑے ڈول سے تنہا پانی نکالا اور وہاں کھڑے سرکش اور طاقتور افراد کی پرواہ کئے بغیر ان لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلا دیا۔ اور کسی فرد نے ان کے ایسا کرنے پر اعتراض نہ کیا۔ کہ سب ہی ان کی جسمانی قوت سے مرعوب ہو چکے تھے۔ یہاں آپ کی شجاعت اور جسمانی قوت کے مظاہرہ نے حاضرین کو مسحور کر لیا۔ لہٰذا جسمانی قوت اور بہادری اور ان دونوں خوبیوں کے بروقت مظاہرہ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ اشد ضرورت ہے۔ کیونکہ دنیا کے سرکش صرف طاقت کی زبان کو تسلیم کرتے ہیں۔

۸۔ ان میں سے ایک لڑکی واپس آتی ہے۔ قرآن میں بیان ہے کہ چل رہی تھی شرم و حیا میں ڈوبی ہوئی ایک کنواری لڑکی کی چال میں جو بات سب سے ممتاز تھی قرآن نے اسے بیان کیا ہے اور آج بھی ہماری بہنوں، بیٹیوں کو اسی انداز کو اپنانا چاہیے۔ لڑکیوں کو معاشی تقاضوں سے مجبور ہو کر باہر نکلنا ان کے فطری شرم ▪ حیا کو ختم نہ کر دے جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیوں نے اس فطری حیا کو برقرار رکھا اور قرآن نے اس لڑکی کی چال کے اسی انداز کو بیان کر دیا۔ اس لڑکی نے کہا کہ میرا باپ تجھے بلاتا ہے۔ کہ تجھے ہمارے جانوروں کو پانی پلانے کا بدلہ دے۔ آپ کو حالت مسافرت میں سہارے اور پناہ کی ضرورت تھی لہٰذا آپ اس لڑکی کے ہمراہ چل پڑے۔

۹۔ جب آپ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ایک لڑکی نے اپنے والد محترم کو مشورہ دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ہاں ملازم رکھ لے۔ کیونکہ گھریلو ملازم میں قوت اور امانت کی خوبیاں بدرجہ اتم ہونی چاہئیں اور آپ ان اوصاف سے مزین تھے۔ جس کا مشاہدہ ■ لڑکی کر چکی تھی۔

۱۰۔ حضرت شعیب نے آپ کے ساتھ ان کے اہل خانہ کی خدمت کے عوض ایک لڑکی کا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ مدت خدمت طے ہو گئی۔ اور آپ نے ان شرائط کو قبول کیا اور پھر ان کو پورا کیا۔ اس سے طے ہوا کہ نکاح کی شرائط لڑکی کی طرف سے بصورت حق مہر درست ہیں۔ مگر جہیز کی صورت میں یا کوئی ایسی شرط لڑکے کی طرف سے مناسب نہ ہے۔

۱۱۔ یہاں جو شخص ملازم رکھ رہا ہے۔ اس کا Upper hand ہے۔ لہٰذا اس کی طرف سے یہ کہلوایا جا رہا ہے کہ میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں تو مجھے انشاء اللہ نیک بختوں میں سے پائے گا۔ معاشرہ میں جو شخص اقتدار کا حامل ہے۔ اسے اپنے ماتحتوں کو۔ اجیر کو آجر کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ اس کی طرف سے اس پر زیادتی نہ ہو گی کیونکہ عام حالات میں زیادتی کا امکان اس کی طرف سے ہی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا گیا کہ میں شرائط معاہدہ پوری کروں گا۔ ہاں البتہ مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہ ہو اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شرائط کی تکمیل کے دوران میں سختی اور درشتی نہ ہو۔ اور شرائط کی تکمیل کے بعد معاہدہ میں کوئی سختی اور زیادتی نہ ہو۔ آپ کے اس جملے سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ معاہدہ کی شرائط میں بالادست کی طرف سے زیادتی کا امکان موجود ہے۔ اور آپ نے اس زیادتی کا پہلے سے سدباب کر لیا ہے اور آپ نے معاہدہ کا وکیل ذات باری تعالیٰ کو مقرر کر دیا۔ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے معاہدہ خدا کو حاضر ناظر جان کر آج بھی ہو رہا ہے۔ مگر اس کے نتائج بعد میں مختلف نکلتے ہیں۔ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ حضرت موسیٰ کے خسر حضرت شعیب تھے یا کوئی اور۔ مفسرین اور تاریخ دان ان حقائق کی چھان پھٹک کرتے رہیں۔ ہمارے لئے تو ان کے مابین گفتگو اور معاہدہ سے حکمت کے جو پہلو نکلتے تھے ان کا بیان ہی کافی ہے۔ خواہ وہ حضرت شعیب

ہوں یا کوئی اور۔

۱۲۔ موسیٰ علیہ السلام اپنی بیوی کے ہمراہ بکریاں چراتے ہوئے کافی دور نکل گئے۔ رات چھا گئی۔ تو آپ نے وادی ایمن میں آگ دیکھی۔ اور اپنی بیوی سے کہا کہ تم یہاں ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے۔ میں وہاں جاتا ہوں تاکہ تمہارے لئے آگ لے آؤں۔ یا وہاں سے راستے کا نشان پاؤں۔ آگ آج بھی رات کے وقت جنگل یا صحرا میں بھٹک جانے والوں کے لئے اطمینان اور سکون کا باعث بنتی ہے۔ کیونکہ یہ انسانی زندگی کی دلیل ہے۔

۱۳۔ آپ جب وہاں پہنچے تو آواز آئی۔ اے موسیٰ میں ہوں تیرا پروردگار۔ پس اپنی جوتی اتار دے۔ تو طویٰ کی مقدس وادی میں کھڑا ہے۔ اور دیکھ میں نے تجھے اپنی رسالت کے لئے چن لیا ہے۔ پس جو کچھ تنبیہہ کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سن۔

حضرت موسیٰ کو ہمہ تن گوش متوجہ ہونے کے لئے پہلے ان کو جوتیاں اتارنے کا حکم دیا گیا۔ یہ ایک نفسیاتی امر ہے۔ کہ کام کی اہمیت اس کی تیاری سے عیاں ہوتی ہے۔ آپ کے دل و دماغ میں راسخ کیا جا رہا ہے۔ کہ جس مقام پر وہ کھڑے ہیں اس کی تقدیس کا کیا عالم ہے اور جس منصب سے وہ نوازے جانے والے ہیں اور جو ذمہ داری ان کو سونپی جا رہی ہے اس کے تقاضے کیا ہیں۔

۱۴۔ آپ کا اس طرح بارگاہ رب العزت میں اچانک پیش ہو جانا آپ کو مبہوت کر سکتا تھا۔ لہٰذا کلام میں لطافت اور راحت پیدا کرنے کے لئے معمولی ذاتی نوعیت کے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ آج بھی لطف و کرم کا یہ طریق جاری ہے۔ اور بہت ہی موثر ہے۔ آپ سے پہلا سوال یہ کیا گیا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں عصا کے باطنی خواص کا بیان کیا اور اپنی ذات کے لئے اس کی افادیت اور مقصدیت کا ذکر کیا۔ جو عین فطرت کے مطابق ہے۔ اس پر مفسرین نے بڑے خیال آفرین فکر انگیز تبصرے کئے ہیں۔ مگر سیدھا سادھا سا جواب ہے۔ جو انسانی فطرت کے مطابق ہے اور جواب انسانی ذہن کی ساخت کو اور اس کے سوچنے کی صلاحیت کو پیش نظر رکھ کر دیا گیا ہے۔ عصا کی ظاہری شکل تو نظر آ رہی تھی۔ آپ کا ذہن فوراً اس طرف گیا کہ رب تعالیٰ اس کی افادیت اور مقصدیت دریافت فرما رہے

ہیں اور آپ نے مکمل اور شافی جواب دینے کی کوشش کی۔ جواب ہر لحاظ سے Relevant تھا۔ اور آج بھی حضرت موسیٰ کی تقلید کرتے ہوئے انٹرویو اور امتحان کے پرچوں میں سوال کے تمام پہلوؤں اور زاویوں کو مدنظر رکھتے ہوئے غیر ضروری طوالت سے بھی بچ کر ایسا ہی شافی جواب دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آپ کی دو نشانیاں عصا کا اژدہا بننا اور ہاتھ کا روشن ہو جانا قوم فرعون کے لئے معجزات کے طور پر عطا کی گئیں۔ کیونکہ فاسق و فاجر قومیں عقلی اور نظری دلائل سے کم اور مافوق الفطرت معجزات سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔

۱۵۔ اب موسیٰ علیہ السلام کو رب العزت نے فرعون کی طرف جانے کا حکم دیا اور بتلایا کہ فرعون بغاوت کی آخری حدوں کو چھو چکا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ اُسے ہمارا پیغام سنایا جائے۔ اور ہماری نشانیاں دکھلائی جائیں۔ فرعون نے قوت و سیاست۔ ہامان نے مذہبی پیشوائیت اور قارون نے سرمایہ داری کے ذریعہ نوع انسانی اور خاص کر بنی اسرائیل کو غلاموں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اور یہ نوع انسانی کی Exploitation ' کا بدتر Collusion (الحاق) تھا۔ جس میں تینوں استعماری قوتوں نے بنی اسرائیل کا خصوصاً اور رعایا کا عموماً استحصال کر رکھا تھا۔

موسیٰ علیہ السلام بڑے ہی زیرک۔ اور معاملہ فہم تھے۔ انہوں نے ذمہ داری سونپنے پر منصب نبوت کے عطا کئے جانے پر خاموشی اختیار نہ کی۔ بلکہ اپنی کمزوریوں اور مدمقابل کی قوت کا اظہار کر کے تائید و نصرت خداوندی چاہی۔ اگرچہ منصب نبوت کے ساتھ ہی تائید و نصرت تو آپ کو حاصل ہو چکی تھی۔ مگر وہ Implied تھی اور آپ Expressed چاہتے تھے۔ یہ بات انسانی نفسیات کے سب سے باریک پہلو کی نشاندہی کرتی ہے۔

آپ نے شرح صدر۔ کام کی آسانی۔ عقدہ زبان کی کشود۔ فصاحت و بلاغت زبان۔ ایک معتمد وزیر کی تعیناتی (اور وہ بھی اہل خانہ میں سے حضرت ہارون علیہ السلام) ایک ایک دو گیارہ کے مصداق قوت میں اضافے۔ اور شریک کار۔ کی استدعا کی۔ اور آپ کی جملہ درخواستوں کو ایک جملہ سے رب العزت نے شرف قبولیت بخش دیا۔

حضرت موسیٰ نے اللہ رب العزت سے کیا مانگا۔

۱۔ شرح صدر۔ تمام قلبی خوبیاں۔ بہادری۔ شجاعت۔ بے باکی۔ بے خوفی۔ عزم و حوصلہ۔ ہمت۔ قوت۔ حتیٰ کہ اس مشن کے لئے اساسی خصوصیات کو طلب کیا۔ جو شرح صدر کے ایک جملہ میں مخفی تھیں۔

۲۔ امر کا آسان کر دینا۔ فرعون کے مقابل کھڑا ہونا۔ بڑی عزیمت کا کام تھا۔ عزم و حوصلہ مانگنے کے بعد اس کے مضمرات میں جو مشکلات تھیں ان میں آسانی چاہی جو تائید ایزدی سے ممکن تھی۔

۳۔ عقدہ لسانی کی کشود چاہی۔ زبان کی فصاحت و بلاغت مانگی۔ تاکہ پیغام موثر انداز میں پہنچایا جا سکے اور سننے والا زبان کی لذت اور طرز بیان سے متاثر ہو۔ پیغام کے ظاہری حسن اور خوبصورتی کی استدعا کی۔ اور اہل علم جانتے ہیں کہ فصاحت و بلاغت نے کیسے کیسے معرکے سر کئے ہیں۔

۴۔ قول سہل ممتنع دے۔ تاکہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ فصاحت و بلاغت زبانی کا ہی ایک حصہ ہے۔

۵۔ اہل خانہ میں سے ہارون برادر کو معتمد اور وزیر مقرر کر دے۔ تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو قوت حاصل رہے اور شریک کار میسر آ جائے۔ جس سے احساس تنہائی جاتا رہے۔

۶۔ کسی بڑے منصب کے لئے ان خواص کا ہونا بہت ضروری ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس منصب اور ذمہ داری کے تمام تقاضوں کو سمجھتے ہوئے وہی طلب کیا جو نہایت ضروری تھا اور یہی وجہ ہے کہ فوری طور پر بارگاہ رب العزت سے عطا ہو گیا۔ یہ ساری باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قول قرآنی کی تصدیق کرتی ہیں۔ سورۃ قصص میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام سن بلوغت کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم اور علم سے نوازا۔ آپ کے بڑے ہی حکیمانہ انداز میں مشن کے مطابق اپنے آپ کو ظاہری سروسامان سے لیس کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

مگر حکمت خداوندی ہر شے کو محیط ہے۔ لہٰذا جب موسیٰ اور ہارون کو فرعون کے پاس جانے کا آخری حکم دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک نصیحت کی۔ عجب ہے بادشاہوں

کے بادشاہ۔ الصمد کو بھی ایک نبی کا ایک دنیوی بادشاہ کے دربار میں جانے کا لطیف انداز پیش نظر ہے۔ ہر شے کا مالک۔ بادشاہ حقیقی آپ کو نصیحت فرما رہا ہے کہ فرعون کو خطاب کرتے ہوئے سختی سے پیش نہ آنا۔ اس قول میں بڑی حکمت ہے۔ فرعون اپنے دربار میں مختار کل بنا بیٹھا ہے۔ اس کی انا کو مجروح اس طرح نہیں کرنا کہ بھرے دربار میں اس کی تذلیل ہو۔ لب و لہجہ کی درشتی ویسے بھی موزوں نہ ہے۔ یہ مسائل کو الجھا دیتی ہے۔ اور اہل مقصد سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اور مشن ▪ پروگرام کی تکمیل میں حائل ہوتی ہے۔ آج بھی ہمارے روزانہ کے مشاہدہ میں یہ بات آتی ہے کہ پیغام پہنچانے والے کا انداز۔ لب و لہجہ کی سختی اور درشتی بہت سارے مسائل کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ اور اصل پیغام اور مقصد کے بیان سے پہلے ہی مسئلہ کھڑا کر دیتی ہے۔ جس سے گریز کی تلقین کی گئی اور یہ بات آج کے پیغام بر اور سفارت کار کو ملحوظ رکھنی چاہئے۔ یہ موجودہ دور کے سفارتی آداب اور Techniques of Negotiation میں سب سے اہم Technique ہے۔ اور کہا کہ شاید اس طرح فرعون نصیحت پکڑے۔ اگرچہ اصل مقصد بنی اسرائیل کو قوم مصر کے چنگل سے آزادی دلانا تھا۔

یہ درست ہے کہ اس قادر المطلق۔ اور عالم الغیب ذات پر یہ بات واضح تھی کہ فرعون مصر ایمان لانے والا نہ ہے۔ مگر اس نے دعوت اور پیغام رسانی کے اعلیٰ اصولوں کے پیش نظر یہ ہدایت کی کہ اس کے ساتھ بات نرمی سے کرنا۔ کیونکہ اصول وضع کرتے وقت کسی ایک صورت حال کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا اور پھر اصول تو معیاری ہی ہونا چاہئے خواہ ایک مخصوص صورت حال میں مطلوبہ نتائج نہ بھی برآمد ہوں چونکہ راہنما اصول فطرت انسانی اور نفسیات انسانی کے پیش نظر مستقل طور پر تیار کئے جا رہے تھے لہٰذا اسی ایک واقعہ میں اعلیٰ اصولوں کی افادیت تو بیان کر دی اگرچہ وہ فائدہ اس واقعہ سے حاصل نہ ہو سکا۔ اس سے قرآنی قاعدہ اور ضابطہ کا ادراک حاصل ہوتا ہے کہ ایک Given Situation میں ابدی اصول اور طریق طے کر دیئے جاتے ہیں۔ جو ہر صورت حال پر منطبق کئے جا سکتے ہیں۔

۱۴۔ دربار فرعون میں موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا ابتدائی مکالمہ بھی نیکی اور بدی کی

خصلت کا آئینہ دار ہے۔ ایک طرف وحی الٰہی کی حامل شخصیات کا علم۔ تدبر۔ تحمل ہے۔ اور دوسری طرف ایک مطلق العنان حکمران کی نفسیات۔ ملاحظہ ہو۔

موسیٰ علیہ السلام نے اور ہارون علیہ السلام نے فرعون کے پاس جا کر صرف یہ کہا کہ وہ خداوند زمین و آسمان کے ایلچی بن کر آئے ہیں۔ اور یہ پیغام لائے ہیں کہ بنی اسرائیل کو ان کے ساتھ روانہ کر دو۔ بظاہر اس سے فرعون کی حکومت اور اقتدار کو کوئی خطرہ لاحق نہ تھا۔ پیغام بالکل بے ضرر اور سادہ سا تھا۔ اسے اپنے دعویٰ خدائی سے دستبردار ہونے کی تلقین بھی نہ تھی۔ صرف بنی اسرائیل کو موسیٰ و ہارون کے ساتھ روانہ کر دینے کی فرمائش تھی۔ اور انتہائی سادہ۔ مگر باوقار انداز میں۔ جس کے جواب میں فرعون نے اپنے احسانات۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں قبطی کے قتل کا حوالہ دیا۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ کیا ان احسانات کے بدلے جو تمہارے خاندان کے میری ذات پر ہیں تمہیں بنی اسرائیل کو غلام بنانے کا حق مل جاتا ہے۔

۱۴۔ فرعون کے دربار میں رب العالمین کی صفات کے بارے میں بحث کے دوران حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رب کائنات کی تعریف بڑی جامع اور حکیمانہ انداز میں کی۔ آپ نے فرعون کے استفسار پر کہ اے موسیٰ تمہارا رب کون ہے فرمایا۔ ہمارا پروردگار تو وہ ایک پروردگار ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کو وجود بخشا۔ اور پھر ہر طرح کی ضروری قوتیں دے کر اس پر زندگی اور عمل کی راہیں کھول دیں۔ جس نے ہر شے کو نعمت وجود عطا کی۔ اور پھر سب کو منزل کمال کی طرف چلنے کی راہ دکھائی۔ اس پر فرعون نے وہ سوال دہرایا جو ہر کافر و مشرک کے ذہن سے چمٹا ہوا ہے۔ کہ اگر یہی بات ہے تو پھر پہلے لوگوں کا حال کیا ہوا۔ اس کا مقصد موسیٰ علیہ السلام کو لاجواب کرنے کے ساتھ ساتھ درباریوں کے اذہان سے موسیٰ علیہ السلام کے استدلال کا اثر زائل کرنا بھی تھا۔ حضرت موسیٰ اس کی کج بحثی کو سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا کہ اگلے لوگوں پر کیا گزری اور ان کے ساتھ خدا کا معاملہ کیا رہا اس کی ذمہ داری نہ مجھ پر ہے اور نہ تجھ پر ان کا علم میرے پروردگار کے پاس محفوظ ہے۔ کیونکہ میرا پروردگار بھول چوک اور خطا سے پاک ہے۔ جس نے جو کچھ کیا ہے اس کے معاملہ میں کوئی

بھول یا ظلم نہ ہو گا۔ اس کے بعد آپ نے رب العالمین کے اوصاف حمیدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

(ا) میرا رب وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھا دیا۔

(ب) نقل و حرکت کے لئے اس میں راہیں نکال دیں۔

(ج) آسمان سے پانی برساتا ہے۔

(د) اور اس پانی سے سیرابی کے ذریعہ نباتات کے جوڑے پیدا کئے۔ کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ۔

(ر) اسی نے اس زمین سے تمہیں پیدا کیا۔ اسی میں لوٹو گے اور پھر اسی سے اٹھائے جاؤ گے۔

جب فرعون اس استدلال سے مرعوب ہو گیا تو اس نے مضحکہ خیز انداز میں ہامان کو حکم دیا کہ میرے لئے ایک بلند عمارت تیار کرو۔ کہ میں آسمان کی بلندیوں اور ان کے ذرائع تک دسترس حاصل کر سکوں اور موسیٰ کے خدا کا حال معلوم کر سکوں۔ میں تو اس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ یہ فرعونی ذہنیت کا بین ثبوت تھا۔ ہر مطلق العنان حاکم استدلال کے جواب میں اسی قسم کی بہکی بہکی مضحکہ خیز باتیں کیا کرتا ہے۔

۱۷۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر فرعون کے خوشامدی درباریوں نے بھی اس کے من کی بات کہہ دی۔ اور More loyal than the King قسم کے حواریوں نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہہ کر بادشاہ کو وقتی طور پر شکست کی خفت سے بچا لیا۔ اور بالاخر آپ کو مصر کے جادوگروں سے مقابلہ کا چیلنج دے دیا گیا۔

۱۸۔ ساحرین دربار فرعون سے مقابلہ کے بعد ساحرین حقیقت کو سمجھ کر ایمان لے آئے۔ یہ وہی ساحرین تھے کہ جب مقابلہ کے لئے دربار میں پہنچے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم موسیٰ پر غالب آ گئے تو ہمارا اجر کیا ہو گا۔ فرعون نے کہا کہ انعام و اکرام کے علاوہ تم مقربین بارگاہ شاہی بھی بن جاؤ گے۔ جب ان پر حقیقت منکشف ہوئی تو انہوں نے بلا تامل ایمان قبول کر لیا اور سجدے میں گر گئے۔ فرعون بڑا نادم ہوا کہ اس کے لائے ہوئے مدمقابل بھی موسیٰ علیہ السلام سے بھرے دربار میں شکست کھا گئے اور اعتراف حقیقت کر لیا۔ تو اس نے مکر و فریب اور الزام تراشی کا ایک اور

حربہ اپنایا اور کہا کہ بے شک تم موسیٰ سے ملے ہوئے تھے اور یہ تمہارا استاد یا سردار ہے۔ اور تم نے آپس میں سازش کر رکھی ہے۔ یہ فرعونی ذہنیت کا ایک اور مظاہرہ تھا۔ پھر اس نے اپنی قوت اور جبروت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ تمہاری یہ جرات کیسے ہو سکتی ہے کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لے آؤ۔ اس پر ساحرین نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم یہ نہیں کر سکتے کہ سچائی کے جو روشن دلائل ہمارے سامنے آ گئے ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں۔ تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر گزر۔ تو زیادہ سے زیادہ ہماری دنیوی زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے جو ہماری خطائیں بخش دے گا۔ اور وہی بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے۔

۱۹۔ موسیٰ علیہ السلام فرعون سے ایک طرف اور اپنی سیماب صفت قوم سے دوسری طرف بڑی حکمت اور وقار اور پامردی سے نپٹتے رہے۔

۲۰۔ جب بالآخر فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کر لیا تو وہاں ایک مرد مومن دربار میں موجود تھا۔ جس نے دربار فرعون میں تقریر کی جسے سورۃ مومن میں حرف بحرف قلمبند کیا گیا ہے۔ اس مرد مومن نے بڑی حکیمانہ باتیں کیں۔ اس نے کہا کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرتے ہو جس کا دعویٰ ہے کہ اس کا رب اللہ ہے۔ جو ہمارے رب کی کھلی نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اگر جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اس پر ہے۔ اور اگر سچا ہو گا تو اس کا نتیجہ تمہیں بھگتنا ہو گا۔ اے میری قوم آج تم صاحب اقتدار ہو۔ ملک میں غالب ہو۔ مگر اللہ کے عذاب سے ہماری کون مدد کرے گا۔ اگر وہ نازل ہوا۔

اس پر فرعون نے اسی مرد مومن کو ٹوک کر کہا کہ میں تو وہی سمجھاتا ہوں تم کو جو سوجھا مجھ کو۔ اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔

پھر اسی مرد مومن نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر اگلی قوموں کا حال نہ ہو۔ جیسے قوم نوح۔ عاد اور ثمود کا حال ہوا۔ اللہ بندوں پر بے انصافی نہیں چاہتا۔ میں تم پر اللہ کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اس سے قبل تمہارے پاس یوسف کھلی باتیں لے کر آیا۔ مگر تم دھوکے میں رہے یہاں تک کہ مر گیا اور

تم کہنے لگے کہ اب اللہ کوئی رسول نہ بھیجے گا۔

پھر اسی مرد مومن نے کہا کہ اے قوم میری راہ پر چلو میں تمہیں نیکی کی راہ پر لگا دوں۔ یہ دنیوی زندگی چند روزہ ہے۔ اصل گھر آخرت کا ہے۔ برائی کا بدلہ ملے گا اور بھلائی کا بھی۔ پھر وہ کیا ہے اے قوم میں کیا پاگل ہو گیا ہوں کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں۔ اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو اور آخر میں اس نے کہا کہ میں اپنے معاملات اللہ کو سونپتا ہوں۔ جو سب بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

۲۱۔ بنی اسرائیل کو جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے تسلط سے نجات دلائی تو اس قوم کی عجب کیفیت تھی۔ وہ کم و بیش چار سو سال تک مصریوں کے غلام رہے تھے۔ اور غلامی نے ان کی ذہنیت کو بگاڑ دیا تھا۔ ان کو اگرچہ جسمانی آزادی نصیب ہو گئی مگر وہ ذہنی غلامی کے شکنجہ سے آزاد نہ ہو پائے اور انہوں نے عجیب و غریب متلون مزاجی کا مظاہرہ کیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام سے عجیب و غریب مطالبات کئے۔ مثلاً

(ا) جب ان پر اللہ کی طرف سے کوئی مہربانی ہوتی تو اظہار مسرت میں حد سے گزر جاتے اور جب ذرا پریشانی کا سامنا کرتے تو شکوہ شکایت کا دفتر کھول دیتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طعنہ و تشنیع کا نشانہ بنانے سے گریز نہ کرتے۔

(ب) فرعون کے لشکر کو تعاقب میں آتے دیکھ کر گھبرا گئے۔

(ج) فرعون کے لشکر کو غرق ہوتا دیکھ کر بے پناہ مسرت کا اظہار کرنے لگے۔

(د) پانی۔ کھانے اور سایہ کی طلب شدت سے کرنے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے چشموں کا پانی۔ من و سلویٰ۔ اور بادلوں کا سایہ عطا کر دیا۔

(ر) من و سلویٰ سے جی بھرا تو تھوم۔ پیاز اور دالوں کی طلب کرنے لگے۔

(ز) ایک بستی پر سے گزرے جہاں لوگ بتوں کی پرستش کر رہے تھے تو موسیٰ علیہ السلام سے بتوں کا مطالبہ کر دیا۔ اللہ کے نبی سے اس سے بڑا مطالبہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ جس قوم کو نجات دلانے پر خدا اسے مامور کرے۔ اور پھر اس نبی کا واحد مشن توحید باری تعالیٰ کا پرچار اور اسے راسخ کرنا ہو۔ اس سے ہی قوم نجات پانے کے بعد بتوں کا مطالبہ کر دے۔

(ژ) اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ جب موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر ان کے لئے شریعت

لینے گئے اور تیس دن میں لوٹ آنے کی بجائے آپ کا وہاں قیام چالیس دن ہو گیا تو سامری بدبخت نے قوم موسیٰ کے مزاج کی ناپختگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کے لئے بچھڑے کا بت تیار کر دیا۔ گوسالہ پرستی مصر کا قدیم عقیدہ تھا۔ ان کے مذہب میں اسے بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اسی لئے ان کے ایک بڑے دیوتا (مورس) کا منہ گائے کی شکل کا تھا اور ان کا عقیدہ تھا کہ کرہ زمین گائے کے سر پر قائم ہے۔ ایسے لگتا ہے ہنود میں یہ عقیدہ بھی قدیم مصر ہی سے آیا ہے۔ اور قوم موسیٰ نے اگرچہ مصریوں سے جسمانی آزادی حاصل کر لی مگر عقائد کی ذہنی آزادی اس قوم کو نصیب نہ ہوئی۔ اور یوں یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جسمانی آزادی حاصل کرنا آسان ہے اور اس کے لئے کم وقت درکار ہے مگر ذہنی غلامی سے نجات نہ تو آسان ہے اور نہ ہی کم وقت میں میسر ہے۔ میرے خیال میں گوسالہ پرستی آج بھی یہود اور ہنود کو قریب لانے میں غیر شعوری طور پر بہت اہم رول ادا کر رہی ہے۔

(س) یہاں ایک اور اہم بات رونما ہوئی۔ حضرت موسیٰ نے واپس آ کر حضرت ہارون سے بازپرس کی۔ تو حضرت ہارون نے کہا کہ انہوں نے اس قوم کو بتیرا منع کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ تو انہوں نے قوم کو سختی سے اس لئے منع نہ کیا کہ کہیں آپ مجھے مطعون نہ کریں کہ میں نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا ہے۔ یہاں ایک نبی نے وقتی طور پر قوم کی بت پرستی کو برداشت کر لیا کہ وہ قوم میں تفرقہ ڈالنے کا باعث نہ بن جائے۔ اس سے قوم کے اندر فرقہ واریت کے بھیانک تصور کے منفی نتائج کا اظہار ہوتا ہے۔

(ش) بعض موقعہ پرست لوگ وقتی طور پر پلڑہ بھاری دیکھ کر حق و راستی کے ساتھ لگ جاتے ہیں۔ مگر جب موقعہ ملتا ہے۔ اپنی الگ روش پر قائم ہو کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی ڈگر پر چلانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس طرح وہ اپنی برتری قائم کر سکیں اور اپنی قوم کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا سکیں۔ سامری بھی اسی قسم کے اشخاص میں سے تھا۔ اور یہی لوگ حق و صداقت کے اس گروہ میں منافقین کا رول ادا کرتے ہیں۔

(ص) موسیٰ و قارون کا مکالمہ :۔ قارون قوم موسیٰ کا صاحب ثروت انسان تھا۔ اور

دولت پر فخر و مباہات کرتا تھا۔ جب اس کی توجہ اس کی معاشرتی ذمہ داریوں کی طرف دلائی گئی کہ وہ اپنی دولت سے اپنی قوم کی مالی امداد کرے تو اس نے یہ جواب دیا کہ یہ دولت تو اس کی اپنی کمائی ہوئی ہے۔ جو اس کے علم اور ہنر سے اس نے حاصل کی ہے۔ لہٰذا اس پر معاشرہ یا کسی گروہ کا حق نہ ہے۔ اس کے فخر و مباہات اور دولت کو اپنے علم و ہنر کی پیداوار قرار دینے پر اس کا انجام یہ ہوا کہ اسے دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا گیا۔

(ض) ملاقات موسیٰ و خضرؑ:۔ حضرت موسیٰ کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اور قرآن حکیم میں کچھ عرصہ ان کی باہمی مسافرت کا تذکرہ ہے۔ قرآن میں تین واقعات کا مذکور ہے۔ ایک کشتی جس میں حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کو کشتی والوں نے بلا اجرت بٹھا لیا۔ مگر حضرت خضر نے اس کشتی میں سوراخ کر دیا۔ دوسرا واقعہ ایک کم سن لڑکے کی ہلاکت کا ہے۔ اور تیسرا واقعہ آپ دونوں مقتدر شخصیات کا ایک بستی سے گزر ہوا۔ جس کے لوگوں نے آپ کے ساتھ کچھ اچھا سلوک نہ کیا۔ مگر حضرت خضر نے اس بستی کی ایک گرتی ہوئی دیوار کو سیدھا اور درست کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام واقعہ کی ظاہری شکل پر بے چین ہو گئے اور اس کی علت پوچھنے لگے۔ حضرت خضر نے ان کو چلنے سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ آپ میرے معاملات میں خاموشی اختیار کریں گے۔ جب تیسرے واقعہ پر بھی حضرت موسیٰ خاموش نہ رہ سکے تو حضرت خضر نے ان کو تینوں واقعات کی تاویلات بتلا کر کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ آپ اور میرے درمیان جدائی ہو جائے۔

ان ہر سہ واقعات سے کائنات کے تکوینی علم کی طرف اشارات ہیں۔ ہمارے گرد و پیش روزانہ ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں جو ہم سطحی علم رکھنے والوں کے فہم و ادراک سے بالا ہیں اور ان پر ہم تڑپ کر رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ ہم ان کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے۔ ان واقعات میں یہی حکمت پوشیدہ رکھی گئی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا علم بہت وسیع ہے اور وہ آنے والے واقعات اور حالات کا مطالعہ کر لیتا ہے۔ اسے ہر شے کی خاصیت اور حقیقت کا علم ہے اور ▪ آنے والے واقعات کا علم رکھتے ہوئے بعض معاملات میں ایسے اقدامات کرتا ہے کہ ظاہر بین آنکھ ان واقعات

پر آب دیدہ ہو جاتی ہے۔ مگر حقیقت حال کا علم تو صرف ذات خداوندی کو ہی ہوتا ہے۔ ان واقعات سے تقدیر کے مضمرات پر سے معمولی سا پردہ اٹھا کر ہمیں اس کی حقیقت منکشف کر دی گئی ہے۔ کیونکہ ہر واقعہ کی حقیقت نہیں ہوتی جو ظاہر میں نظر آتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل میں متعدد انبیاء تشریف لائے۔ جن میں سے حضرت یوشع۔ حضرت خرقیل۔ حضرت الیاس۔ حضرت الیسع۔ اور حضرت شمویل کے بارے میں کچھ تفصیلات دستیاب ہوتی ہیں۔ ان انبیاء نے بنی اسرائیل کی راہنمائی کے لئے وقتاً فوقتاً دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ مگر بنی اسرائیل نے اکثر و بیشتر اپنے اعمال سے اپنے انبیاء کو مایوس ہی کیا۔ ان انبیاء کی دعوت و تبلیغ سے حکمت ربانی کے جو جواہرپارے ہم تک پہنچے ہیں ان میں درج ذیل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ بنی اسرائیل کو وقتی کامیابیوں پر فخر و انبساط کے اظہار سے باز رکھنے کی کوشش۔

۲۔ مشکلات میں فوری طور پر یاس و قنوطیت کے اظہار سے بنی اسرائیل کو روکنا۔

۳۔ کامیابی اور کامرانی کو اپنی ذاتی کاوشوں کا نتیجہ گرداننے سے قوم اسرائیل کو روکنا۔

حضرت شمویل علیہ السلام کے دور میں بنی اسرائیل کو جالوت کی فوج سے معرکہ پیش آیا۔ اس معرکہ سے قبل سردار کے انتخاب کا مرحلہ آیا تو حضرت شموئیل نے طالوت کو سردار مقرر کیا جس پر قوم کے اکابرین معترض ہوئے۔ ان کا اعتراض تھا کہ سرداری کا حق تو ان کو حاصل ہے۔ جو دولت اور خاندانی وقار کی بناء پر سرداری کے اہل ہیں۔ جبکہ طالوت میں یہ دونوں خوبیاں نہ ہیں۔ اس کے برعکس حضرت شموئیل نے حضرت طالوت کے انتخاب کے لئے دو Merits بیان کئے کہ حضرت طالوت کو اللہ تعالیٰ نے دولت اور خاندانی وجاہت سے تو نہیں نوازا مگر قیادت کے لئے دو اہم خصوصیات کا وافر حصہ اسے عطا کیا ہے۔ اور یہ دونوں خوبیاں اس کی علم اور جسم میں دوسروں پر فوقیت ہے۔ اس انتخاب سے معلوم ہوتا ہے کہ جسمانی صحت۔ تندرستی اور

قوت کے ساتھ ساتھ علم کو بھی قیادت کا معیار خاص قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ قرآنی Merit ہے جس کے مطابق قیادت کے لئے دولت اور خاندانی برتری کو مسترد کر کے جسمانی قوت اور علم کو معیار قیادت بنایا گیا ہے۔ اسی معرکہ طالوت اور جالوت میں حضرت داوٗد علیہ السلام منظر پر آئے اور آپ نے جالوت کو قتل کر کے اپنی برتری کا ثبوت فراہم کیا۔

حضرت داوٗد و سلیمان علیہ السلام کے بارے میں قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر یہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالٰی نے ان باپ اور بیٹے کو ملک۔ (حکومت) حکمت اور علم عطا کیا تھا۔ آپ کے دو فیصلے خاص طور پر اس ضمن میں قابل ذکر ہیں۔

ایک مقدمہ آپ کے سامنے یہ پیش ہوا کہ ایک شخص کی بکریوں نے دوسرے شخص کی کھیتی کو خراب کر دیا۔ اس کا فیصلہ کتب تفاسیر کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ کیا کہ بکریوں والے شخص کا ریوڑ دوسرے شخص کی تحویل میں دے دیا جائے اور ■ اس سے دودھ اور اون کی صورت میں استفادہ کرے۔ یہ ایک قسم کی "Usufructory mortgage" تھی اور وہ کھیت بکریوں کے مالک کے حوالے کر دیا جائے کہ ■ اس میں کاشت کرے۔ محنت کرے۔ بیج ڈالے اور جب کھیتی اسی حالت میں آ جائے جس میں بکریوں نے اسے بگاڑا تھا تو ■ کھیت اس کے مالک کے حوالے کر کے اپنی بکریاں اس سے حاصل کر لے۔ یہ فیصلہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے مشورہ سے کیا گیا۔

دوسرا مقدمہ آپ کے پاس اس وقت لایا گیا جب آپ عبادت میں مصروف تھے۔ اور آپ سے ملاقات پر پابندی تھی۔ کیونکہ فریقین مقدمہ آپ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے دیوار پھلانگ کر عبادت خانہ میں داخل ہوئے جس سے ظاہر ہوتا ہے اگرچہ دروازے سے ان کو آنے کی اجازت نہ دی گئی۔ یا دروازہ اس طرح بند تھا کہ وہاں سے ان کا داخل ہونا ممکن نہ تھا۔ حضرت داوٗد ان کے اس انداز سے داخل ہونے پر گھبرائے تو انہوں نے مدعا بیان کر دیا۔ کہ ■ تو فریقین مقدمہ ہیں اور ایک تنازعہ کے سلسلے میں انصاف کے طالب ہیں۔ انہوں نے آپ کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ ہمارے درمیان انصاف کے مطابق فیصلہ دیں۔ ہمیں ٹالنے والی بات نہ کریں۔ اور

ہمیں سیدھی راہ بتائیں۔

مدعی نے پھر اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک دنبی ہے۔ یہ کہتا ہے کہ میں ایک بھی اس کے حوالے کر دوں۔ اور مجھ سے گفتگو میں بھی بالادستی کرتا ہے۔

آپ نے فیصلہ دیا کہ مدعی کا بھائی اس کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے۔ اور یہاں ایک بہت بڑا اصول بیان فرما دیا کہ اکثر شریک ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں۔ ماسوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے۔ اور ایسے بہت کم ہیں۔

انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکومت الیہ اور دوسری حکومت کا فرق بیان کرتے ہوئے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ "اے داؤد تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ لہٰذا تم لوگوں میں انصاف کے ساتھ حکومت کرو اور خواہشات نفسانی پر نہ چلو۔ کہ خواہشات نفسانی تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں گی اور جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹک گئے ان کے لئے سخت عذاب ہے۔"

آج بھی حکومت الیہ کا معیار یہ ہے کہ وہ حکومت انصاف کے اصولوں پر قائم ہوتی ہے اور Merit کے علاوہ کسی شے کو فوقیت نہیں دیتی۔ اس کے علاوہ جو حکومت انسانوں کی بالادستی قائم کرتی ہے۔ وہ خواہشات نفسانی کی حکومت ہے اور یہی فرق دعوئی حکومت کو واضح کرنے کے لئے کافی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا:۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نبوت۔ خلافت اور حکومت عطا کی گئی اور انہوں نے اپنے خاص طیور کا معائنہ کیا تو ہدہد کو غیر حاضر پایا اور غیر حاضری پر برہم ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہدہد اپنی غیر حاضری کے بارے میں معقول وجہ نہ بیان کر سکا تو اس کے خلاف کاروائی کی جائیگی۔ جب حاضر ہوا تو اس نے ملکہ سبا کے حالات بتلا کر کہا کہ ایک ایسی ملکہ کی حکومت اس نے دیکھی ہے جسے خدا نے سب نعمتوں سے نوازا ہے۔ اس کا تخت سلطنت عظیم الشان ہے۔ اور اور اس کی قوم خدا کی پرستش کے علاوہ آفتاب کی پرستش کرتی ہے۔

حضرت سلیمان نے ہدہد کو ایک خط دیا۔ اور کہا کہ یہ ملکہ کو پہنچا ؤ تاکہ معلوم ہو جائے کہ تم نے غیر حاضری کا بہانہ تو نہیں بنایا اور تمہارا امتحان ہو جائے۔ حضرت سلیمان کا خط اپنے پیغام اور اختصار کے معاملے میں دنیا کے اہم ترین خطوط میں سے ایک ہے۔ اس مکتوب میں یہ تحریر تھا۔

"یہ خط سلیمان کی جانب سے اور اللہ کے نام سے شروع ہونے والا ہے۔ جو بڑا مہربان اور رحم والا ہے۔ تمہیں ہم پر سرکشی اور سربلندی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے اور تم میرے پاس خدا کے فرمانبردار (مسلم) ہو کر آؤ۔"

ملکہ سبا نے اپنے امراء وزراء کو اس خط کے بارے میں مشاورت کے لئے طلب کیا۔ وہاں بڑی ہی حکمت آفریں باتیں کی گئیں۔ ملکہ نے اپنے امراء سے کہا کہ اے ارکان دولت تم جانتے ہو کہ میں تمہارے مشورہ کے بغیر کوئی اہم اقدام نہیں کرتی۔ اس لئے اس بارے میں تمہارا مشورہ چاہئے۔ ایسے لگتا ہے کہ اس کے ہاں شوریٰ کا نظام بڑا مستحکم تھا۔ اراکین دولت نے کہا ہم زبردست طاقت اور جنگی قوت کے مالک ہیں لہٰذا ہمیں کسی سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہ ہے۔ مشورہ کا معاملہ یہ ہے آپ جو فیصلہ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

باہمی اعتماد کی عجیب فضا وہاں قائم تھی۔ ملکہ نے کہا کہ وہ کوئی اہم اقدام ان کے مشورہ کے بغیر نہیں کرتی اور انہوں نے کہا کہ ملکہ جو فیصلہ دے وہ اس پر صاد کر دیں گے۔ تاہم انہوں نے ملکہ کو خود اعتمادی سے فیصلہ کرنے کے لئے اپنی قوت اور فوجی طاقت کا حوالہ دیا۔ اہم بین الاقوامی سطح کے معاملات طے کرتے وقت آج بھی اپنی داخلی قوت۔ فوجی طاقت۔ امراء و اراکین دولت کا اعتماد اور قوم کا باہمی اتحاد و یگانگت بڑا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ طاقت اور جنگی قوت (فوج) کسی ملک اور سلطنت کے بیرونی دباؤ اور اثر کو رد کرنے کے لئے سد سکندری کا کام دیتے ہیں۔

ملکہ نے جو بڑی صاحب حکمت تھی ایک اٹل بین الاقوامی رواج بیان کیا اور کہا کہ حضرت سلیمان کے معاملہ میں ہمیں عجلت سے کام نہ لینا چاہئے۔ پہلے اس کی قوت و طاقت کا اندازہ کر لینا چاہئے۔ کیونکہ خط کا انداز اچھوتا ہے۔ اور احتیاط کا متقاضی ہے۔ دراصل ملکہ خط میں تحریر دعوت اسلام کے بارے میں بھی یقین چاہتی تھی کہ

اس دعوت کا مقصد کیا ہے اور اسی وجہ سے اس نے چند قاصد قیمتی تحائف کے ساتھ روانہ کیے۔ تاکہ حضرت سلیمان کی طاقت کا اندازہ لگایا جا سکے اور ان کی دعوت کا اصل مقصد و مدعا معلوم ہو سکے۔ Diplomatic Missions سے جو کام آج لیا جا رہا ہے وہی کام ملکہ سبا کے اس طائفہ کو سونپا گیا۔ گو بظاہر وہ حضرت سلیمان کے پاس تحائف لے کر حاضر ہوا تھا۔ مگر بباطن ان کا مشن آپ کی طاقت کا جائزہ لینا اور آپ کے پیغام کی اصلیت جاننا تھا۔ ملکہ سبا نے ایک آفاقی اصول بیان کرتے ہوئے کہا کہ جب فاتح افواج کسی ملک میں داخل ہوتی ہیں تو شہر کو برباد اور باعزت شہریوں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں۔ اور یہی دستور عرصہ سے چلا آ رہا ہے۔ آج بھی غیر ملکی افواج جس شہر میں فاتح بن کر داخل ہو جائیں وہ یہی رویہ اختیار کرتی ہیں۔

حضرت سلیمان کا قاصدان سبا سے سلوک :- آپ نے ملکہ سبا کے قاصدان کو تمام سفارتی آداب سے Receive کیا اور جب انہوں نے آپ کی خدمت میں ملکہ کے بھیجے ہوئے قیمتی تحائف پیش کیے تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے پیغام کا مطلب غلط سمجھا۔ یہ تحائف تمہارے لئے بڑی قدر و منزلت کے حامل ہیں اور تم ان پر مسرور ہوتے ہو جبکہ تم دیکھ رہے ہو کہ میرے خدا نے جو کچھ مجھے عطا کیا ہے وہ ان کے مقابلہ میں کہیں بہتر ہے۔ تم یہ تحائف لے کر واپس ملکہ کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ اگر اس نے میرے پیغام کی تعمیل نہ کی تو پھر میں ایسے لشکر لے کر اس کے ملک پر حملہ کروں گا کہ ایسے لشکر تم نے پہلے کبھی نہ دیکھے ہونگے۔ اور تم لوگ ان کے مقابلہ میں عاجز ہو گے اور پھر میں تم کو ذلیل و رسوا کر کے شہربدر کر دوں گا۔

قاصدوں نے ملکہ کو واپس جا کر تمام روئداد سنائی۔ آپ کی قوت اور حکومت کی وسعت کا حال بتلایا اور ملکہ نے ان قیمتی تحائف کی واپسی سے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ یہ دنیا کا طالب بادشاہ نہ ہے بلکہ اس کے پیغام میں گہرائی ہے اور یہ بیش قیمت تحائف سے مرعوب ہونے والا نہ ہے اسے نصرت و تائید خداوندی حاصل ہے۔ اور اس سے مقابلہ کرنا اپنی ہلاکت و بربادی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ اس نے طے کر لیا کہ

حضرت سلیمان کی دعوت پر لبیک کہنے میں ہی عافیت ہے۔

ملکہ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے اپنے درباریوں کو کہا کہ ملکہ سبا کے محل سے چلنے کے بعد یہاں پہنچنے سے قبل اس کا تخت کون یہاں لا سکتا ہے۔ اس پر ایک عفریت جن نے کہا کہ آپ کے دربار برخاست کرنے سے قبل وہ یہ کام سرانجام دے سکتا ہے۔ دیو پیکر جن کا یہ دعویٰ سن کر آپ کے ایک اور درباری نے جسے کتاب کا علم تھا یہ کہا کہ وہ یہ خدمت آنکھ جھپکنے میں سرانجام دے سکتا ہے۔ اور یہ اہم ذمہ داری اس دوسرے شخص کو سونپی گئی۔ اس میں ایک حکمت یہ پوشیدہ ہے کہ جب بھی قومی سطح پر کوئی اہم نوعیت کی ذمہ داری سونپنے کا مرحلہ درپیش ہو تو محض قوت اور جسمانی طاقت کو ہی فوقیت نہیں دی جانی چاہئے بلکہ اس کے لئے علم کا ہونا بھی لازمی Merit ہونا چاہئے۔ پرانے زمانے میں جسمانی قوت بھی ایک اہم Merit تھا۔ جسے اب صرف جسمانی صحت سے بدل دیا گیا۔ تاہم اگرچہ ہر دو افراد اس اہم ذمہ داری کو نبھانے کی مطلوبہ اہلیت رکھتے ہوں۔ تو جو شخص صاحب علم ہو گا وہ اس ذمہ داری کو بطریق احسن نبھائے گا اور اسی لئے اہم ذمہ داری کے سونپنے کیلئے علم کی شرط ضروری ہے۔ مگر یہاں جس علم کا ذکر ہے وہ کتاب سے منسوب ہے۔ اور علم الکتاب سے مراد اس وقت کی رائج آسمانی کتاب تورات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ آج کل علم القرآن اس کے لئے ضروری Merit قرار دیا جانا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم پر بھی دسترس ضروری ہے۔ اور حکومت وقت کے پیش نظر یہ بات رہے کہ وہ باقی معاملات میں ہم پلہ امیدواروں میں سے علم الکتاب کے حامل امیدوار کو ترجیح دے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ علم الکتاب رکھنے والا شخص نازک سے نازک ذمہ داری کو کس قدر خوش اسلوبی سے نبھائے گا اور یہی قرآنی Merit ہے۔

حضرت سلیمان نے اس تخت میں ردوبدل کرا دیا۔ جب ملکہ سبا پہنچی تو اس سے دریافت کیا گیا کہ کیا تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے تو اس نے کہا کہ گویا یہ وہی ہے۔ مگر ابھی تک وہ مطیع ہو جانے کے باوجود دل سے مسلمان نہ ہوئی تھی۔ پھر جب محل کے اندر داخل ہوئی تو اس نے سمجھا کہ فرش پر پانی ہے۔ اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ کسی

نے کہا کہ یہ پانی نہیں ہے۔ بلکہ فرش پر آب گینے جڑے ہوئے ہیں۔ اس پر وہ ایمان لے آئی رب العالمین پر۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات زندگی سے ہمیں صبر ایوبی کا سبق ملتا ہے۔ دراصل حکمت نبوی کا خاصا شکر اور صبر ہیں۔ شکر انعام خداوندی کے ہر مرحلہ پر اور صبر ہر مشکل اور مصیبت میں نبوت کے بنیادی تقاضے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں ہر نبی کے حالات زندگی میں صبر و شکر کا عنصر بدرجہ اتم ملتا ہے اور ہر ہر قدم پر سجدۂ شکر بجا لانے کا درس ملتا ہے۔ مگر ہر مشکل میں صبر و برداشت اور یادخداوندی کا عنصر حضرت ایوب علیہ السلام کے حالات زندگی کا خاصا ہے۔ اور آپ کے حالات زندگی سے یہ تلقین ملتی ہے کہ تکلیف کس قدر شدید ہی کیوں نہ ہو۔ مشکل کتنی کڑی اور مصیبت کتنی سنگین ہو۔ انسان کو صبر سے خداوند پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اسے منجانب اللہ سمجھتے ہوئے برداشت کرنا چاہیئے۔ آپ کے حالات زندگی سے ایک اور اشارہ ملتا ہے کہ ذاتی سطح پر قسم کو پورا کرنے کے لئے اسے ظاہری شکل میں مصلحت کے ساتھ مکمل کر لینا Permisable ہے۔ جب آپ کے حالات زندگی میں سو کوڑے مارنے والی قسم کی سو تیلیوں کا گٹھا لے کر مارنے سے پورا کرنے کی ہدایت کی گئی۔

حضرت یونس علیہ السلام کے حالات زندگی سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اپنی ذمہ داری کو اپنے مالک کی اجازت کے بغیر وقت سے پہلے چھوڑنا پریشانی اور پشیمانی کا پیش خیمہ بنتا ہے اور بعد ازاں مشکل سے دعا اور استغفار کی بناء پر نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے زیر کفالت حضرت مریم طاہرہ ام حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی مشغول عبادت رہتی تھیں۔ ان کے حجرہ میں موسم کے بغیر پھل دیکھ کر حضرت زکریا کو خیال گزرا اور آپ نے آل یعقوب یعنی بنی اسرائیل کے رشد و ہدایت کیلئے اپنا ایک وارث رب العزت سے طلب کر لیا۔ اپنی عمر۔ اور اپنی بیوی کے بانجھ ہونے کے باوجود یہ درخواست پیش کر دی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو خالق اسباب ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کسی کو سبب کے بغیر عدم سے وجود میں لے آنا کوئی مشکل نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمالی تو تعجب کرنے لگے کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ کیونکہ بظاہر اس خواہش کی تکمیل کی صورت نظر نہیں آتی تو خداوند قدوس نے فرمایا کہ میں اس سے قبل تمہیں بھی عدم سے وجود میں لا چکا ہوں۔ اس پر آپ نے نشانی طلب کی تو بارگاہ رب العزت سے نشانی بھی خصوصی عطا ہوئی یعنی حضرت زکریا تین دن تک گفتگو نہ کر سکیں گے۔ اور اشاروں سے باتیں کریں گے۔

حضرت زکریا علیہ السلام کے اسی قصہ میں انسانی نفسیات کے بڑے باریک پہلو بیان کئے گئے ہیں۔ آپ نے جب حضرت مریم پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات بے پایاں دیکھیں تو بے موسم کے پھل سے آپ کے دل میں دبی ہوئی خواہش اولاد نرینہ بیدار ہو گئی۔ ماحول سے آپ نے اثر قبول کیا اور پھر اپنی اور بیوی کی طبعی کمزوری کے باوجود اپنی درخواست پیش کر دی۔ یہ خواہش کی شدت اور ماحول کے اثر کے تابع ہوا۔ جب خواہش پیش کر چکے اور قبولیت کا اشارہ ملا تو اب حیرت و استعجاب کا اظہار کر دیا۔ جب یہ حیرت بھی اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر دور کر دی کہ میں نے پہلے تمہیں بھی عدم سے وجود بخشا ہے تو نشانی طلب کر بیٹھے۔ مگر ان سب باتوں میں آپ نے مثبت انداز فکر اختیار کیا۔ اور ایک پرامید انسان۔ جو اللہ کی قدرت کاملہ پر یقین بھی رکھتا ہو۔ مگر خوشی اور حیرت کے ملے جلے جذبات میں اپنا مدعا بیان کر رہا ہو کا کردار ادا کیا۔

حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہ السلام :۔ حضرت مریم حجرہ زکریا میں حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں رہتی تھیں آپ عابدہ' زاہدہ اور پاکیزہ خاتون تھیں۔ ایک روز آپ کے حجرے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام انسانی شکل میں داخل ہوئے۔ چونکہ آپ کا داخلہ مروجہ طریق سے نہ تھا لہٰذا حضرت مریم کو آپ کی نیت پر شک گزرا تو آپ نے فرمایا کہ میں تجھ سے اپنے آپ کو رحمٰن کی پناہ میں دیتی ہوں اگر تم اس کا ڈر رکھنے والے ہو۔ اس بات پر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں تو اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہوں کہ آپ کو ایک زکی فرزند عطا کروں۔ حضرت مریم کا استعجاب فطری تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ کیونکہ نہ تو مجھے کسی انسان

نے مس کیا ہے اور نہ ہی میں گنہگار ہوں۔ یہاں مس کرنے سے مراد مروجہ طریق سے شادی کا ہے۔ حضرت جرائیل علیہ السلام نے ہردو صورتوں کی تصدیق کی اور یوں آپ کی پاکدامنی پر اللہ کے بزرگ فرستادہ ہستی نے مہرتصدیق ثبت کردی۔ اور ساتھ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان حالات میں تخلیق کرنا مشکل کام نہ ہے اور آپ کے ہاں بچے کی تخلیق کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بچے کو سارے عالم کے لئے نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ جب حضرت مریم کو حمل ہو گیا تو آپ نے اپنا حجرہ بدل دیا۔

آپ کے حجرہ بدلنے سے ایسے لگتا ہے کہ آپ اپنے گردو پیش میں موجود لوگوں سے حمل کو مخفی رکھنا چاہتی تھیں۔ تاکہ ان کے طعن ، تشنیع سے بچا جا سکے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک نیتجتاً نیک اور صالح عمل کے گرد اگر شکوک ، شبہات کا تانا بانا قائم ہو جائے تو اسے بھی حتی المقدور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ وقت سے پہلے ہی پریشانی اور لوگوں کی طرف سے نکتہ چینی سے اپنے آپ کو محفوظ کیا جا سکے۔ آپ نے حمل کے آخری لمحات میں بھی لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور آخری لمحات کی شدت تکلیف بھی تنہا ہی برداشت کی۔ بالاخر آپ ولادت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے پاس لے کر آئیں تو وہی الزامات اور طعن و تشنیع کی بوچھاڑ شروع ہو گئی

ولادت مسیح علیہ السلام کے وقت جب آپ عالم پریشانی میں تھیں تو فرشتہ کے ذریعہ آپ کو القاء کیا گیا کہ اے مریم یہ پانی کی ندی ہے اور کھجور کے درخت سے پھل ہے۔ اسے کھاؤ۔ پانی پیو اور عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اگر کوئی شخص ملے تو اسے کہہ دو کہ تم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے اور کسی سے بات نہ کرو گی۔ جب انسان ان حالات میں پھنس جائے کہ باوجود پاکدامنی کے اپنی بریت ثابت نہ کر سکتا ہو تو پھر بحث و تمحیص میں الجھاؤ مزید الجھنیں پیدا کر دیتا ہے۔ اس لئے لوگوں کے ہر سوال کے جواب میں آپ کو خاموشی کی تلقین کی گئی۔ وہی ہوا جب آپ اپنی قوم کے پاس نوزائیدہ بچے کو اٹھا کر لائیں۔ تو سوالات اور الزامات کی بوچھاڑ کر دی گئی اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ "اے مریم تو نے بہت پاپ کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔"

دراصل قوم مریم بھی ایسی قصوروار نہ تھی۔ انہوں نے اس قسم کی پیدائش کے عمل کا پہلے مشاہدہ نہ کیا تھا۔ ہاں انہوں نے ایک بڑے پتے کی بات کی۔ آج بھی جب کسی شخص کی نیکی یا بدی کا تذکرہ ہو تو بات اس کے ماں باپ کے چال چلن تک جا پہنچتی ہے اور اب میڈیکل سائنس نے یہ ثابت بھی کر دیا ہے کہ ماں باپ کی طرف سے Genes میں نیکی یا بدی کی خصلت بچے کو ودیعت کی جاتی ہیں۔ لہٰذا اسی وقت قوم نے کہا کہ تمہارے ماں باپ کے چال چلن میں بھی کوئی نقص نہ تھا۔ تو تم سے یہ فعل بد کیوں کر سرزد ہوا۔ اس پر مریم علیہ السلام نے بچے کی طرف اشارہ کیا کہ تمام تر سوالات کا جواب اس سے طلب کرو۔ قوم نے پھر تعجب کیا اور کہا کہ بھلا ہمارے سوالوں کا جواب ایک کمسن بچہ کیسے دے سکتا۔ اس پر عیسیٰ علیہ السلام مخاطب ہوئے اور ان کے معجزانہ خطاب کے بعد قوم کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تاقیامت عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کے بارے میں شکوک کو اس دلیل سے رفع کیا کہ عیسیٰ کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے مماثلت رکھتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام تو بن باپ کے پیدا کئے گئے ہیں۔ جبکہ آدم علیہ السلام کو بن ماں اور بن باپ کے پیدا کیا گیا ہے۔

رسول حکمت

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ
أُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا

(البقرہ ۲۶۹)

جسے حکمت سے نوازا گیا اُسے خیرِ کثیر عطا کی گئی (القرآن)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم "بعثت سے قبل"

(صرف ۲ کا نشان ہٹا دینا سخت حرام ہے) تحقیق کر کے بول دیکھیں کہ یہ درست ہے یا غلط؟

حیات طیبہ کا ہر لمحہ حکمت کے خزائن اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ مگر میں صرف ان واقعات تک اس کتاب کو محدود رکھنا چاہتا ہوں جن پر بشری تقاضے غالب ہیں اور جن سے دور حاضر کے انسان کو واضح اور مطلوبہ رہنمائی ملتی ہے۔ یہ اقوال۔ اور افعال ہیں جو آپ نے خالصتاً وحی الہیٰ کی راہنمائی میں ارشاد نہیں فرمائے اور ادا نہیں کئے۔ بلکہ آپ نے بحیثیت انسان کامل اپنی عقل و فکر اور صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ارشاد فرمائے اور ادا کئے ہیں۔ درپیش مسائل کے مخصوص حالات میں مختلف حل ہو سکتے ہیں۔ مگر جو حل آپ نے تجویز کیا ہے آج عقل و دانش کے عصری تقاضوں کی مدد سے اگر ہم ان پر غور کریں تو بلاشبہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان سے بہتر حل ممکن ہی نہ تھا اور جو حل آپ نے دیا اور مسئلہ کے بارے میں جو کچھ آپ نے فرمایا وہ عقل انسانی کے لحاظ سے بھی حرف آخر ہے۔ میں آپ کی حیات طیبہ کی مختلف حیثیتوں سے ایسے منتخب مستند واقعات کو جمع کر رہا ہوں جو ہر حیثیت میں کام کرنے والے آج کے انسان کے لئے مشعل راہ کا کام دیں گے۔

علم الغزم ... H.C.C.

تاجر:۔

آپ نے مکہ معظمہ کے گردوپیش کا جائزہ لیا۔ تو تجارت کو ایک معزز پیشہ پایا اور اکابرین مکہ اور خاندان کے بزرگوں کو اسی پیشہ سے منسلک دیکھا اور حق تو یہ ہے کہ آج بھی یہ پیشہ معزز اور نفع کا حامل پیشہ ہے۔ اس کے علاوہ اس پیشہ میں مختلف علاقوں کے سفر اور ہر قومیت اور علاقہ کے لوگوں سے ملاقات کے مواقع میسر آتے ہیں۔ جن سے انسان کو تعلیم اور تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ تجارت کے پیشہ کے یہی فوائد تھے جن کی بدولت آپ اس پیشہ سے وابستہ ہوئے۔

تجارت کے پیشہ کے لئے دیانت۔ امانت۔ صداقت۔ حسن اخلاق۔ شرافت ایسے محاسن کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ محاسن اس میدان میں آج بھی اتنے ہی ضروری ہیں جتنے آج سے چودہ صدیاں قبل تھے۔ لہٰذا آپ ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوئے

اور آپ نے جوانی کے عالم میں ہی یہ شہرت حاصل کر لی کہ آپ تجارت کے شعبہ کے لئے مطلوبہ تجربہ اور اوصاف بدرجہ اتم رکھتے ہیں۔

آپ کو ذاتی تجارت کے لئے اب صرف سرمایہ کی ضرورت تھی۔ لہٰذا جب آپ کو ایک نیک دل خاتون نے اپنا سرمایہ فراہم کیا تو آپ اس پر رضامند ہو گئے۔ آپ کے اس عمل سے یہ حکمت نمایاں ہوئی کہ عظیم سے عظیم انسان اپنے تجربہ اور صلاحیتوں کو دوسروں کے سرمائے کے ساتھ ملا کر آج کے دور میں اپنے لئے سامان زیست و معیشت بہم پہنچا سکتا ہے۔ مگر دوسرے کے سرمایہ سے تجارت کرنے والا اس سرمایہ کی حفاظت میں امانت۔ دیانت اور احتیاط کو ہر گام پر ملحوظ رکھے۔

تجارت کے بارے میں احکام قرآنی :۔ سورۃ مطففین' الرحمٰن' الشعراء' الانعام' الاعراف' بنی اسرائیل' ھود میں تجارت کے احکامات وارد ہوئے ہیں۔ ان احکامات میں تجارت کا بنیادی اصول یہ واضح کیا گیا ہے کہ ناپ اور تول کے پیمانے انصاف سے قائم کرو۔ یہ پیمانے لینے اور دینے کے لئے یکساں ہونے چاہئیں۔ سورۃ الاعراف آیت ۸۰ ۔ پارہ ۸ میں فرمایا "تمہارے پاس تمہارے رب کی صاف رہنمائی آ گئی ہے۔ لہٰذا وزن اور پیمانے پورے کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزوں میں گھاٹا نہ دو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی ہے۔" متعدد دیگر مقامات پر بھی اصول تجارت میں خلل کو زمین کے اندر فساد برپا کرنے سے تعبیر کیا ہے۔

آپ نے تجارت میں جن اوصاف پر زور دیا ہے۔ وہ تجارت میں کامیابی کا اولین زینہ ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ انہی اصولوں کو اپناتے ہوئے مغربی اقوام اور اشتراکی ممالک تجارت میں منفعت کی بلندیوں کو چھو رہے ہیں۔ ان کے پیمانے فطرت کے پیمانوں سے مطابقت رکھتے ہیں۔ فطرت نے مختلف انواع و اقسام کے پھل' سبزیاں اور اناج پیدا کئے ہیں۔ جن کے اجزاء ترکیبی سے آج سائنس دان اور عام انسان بھی واقف ہے۔ فطرت کا یہ اصول ہے کہ آم خواہ کہاں کا ہو اس کے اجزاء ترکیبی کے تناسب میں فرق نہ آئے گا۔ اسی طرح سیب خواہ کسی ملک میں پیدا ہو رہا ہو اس کے اجزاء ترکیبی یکساں ہوں گے۔ اسی طرح آج کی ترقی یافتہ اقوام اور ممالک میں Pack کے اوپر جو Contenets تحریر ہونگے اس کے اندر بھی اسی مقدار میں موجود ہوں

گے اور یہی ناپ اور تول کے پیمانوں کو انصاف سے قائم کرنے کا اصول ہے۔ جسے اپنا کر آج ترقی یافتہ اقوام میدان تجارت میں بہت آگے نکل گئی ہیں۔

آپ نے تاجر کو اپنے مال کے نقص کو گاہک پر واضح کر دینے کی ہدایت کی۔ مروجہ قانونی طریقہ سے جائز حد تک منافع کے حصول کی ہدایت کی۔ دانستہ Hoarding کر کے اشیاء کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کو Control کر کے بہت زیادہ منافع کے حصول کو ناجائز قرار دیا۔ ملاوٹ اور ذخیرہ اندوزی کو اخلاقی کمزوری بتلایا اور تجارت کے پیشہ کو معزز بتایا۔ مگر افسوس کہ ہمارے کچھ کوتاہ بین ہم وطنوں نے آپ کے ارشادات اور عمل کو پس پشت ڈال کر اس پیشہ میں بین الاقوامی سطح پر وہ حرکات کیں کہ پوری قوم تجارت کے میدان میں بدنام ہو گئی اور یوں بقول شاعر

"چوں از قومِ یکے بے دانشی کرد — نہ کہ را عزت ماند، نہ مہ را۔"

کے مصداق آج ہم بین الاقوامی تجارت میں اپنی ساکھ سے محروم ہیں۔ تو ہم نے دیکھ لیا کہ آپ کے بتلائے ہوئے راستے سے ہٹ کر نہ ہم دنیا کے رہے نہ دین کے۔ آپ کے بتلائے ہوئے اصول نہ صرف اعلیٰ اقدار کے حامل ہیں بلکہ وہ مادی مفاد کی وعید بھی لئے ہوئے ہیں اور یوں دنیوی لحاظ سے افادیت رکھتے ہیں۔ اس لئے ہر ذی شعور شخص کا فرض ہے کہ وہ روحانی فوائد سے قطع نظر مادی فوائد اور برتری کے لئے بھی ان کو اپنائے۔

قیام امن کے لئے آپ کی کوشش :۔ تجارت سے وابستگی کی بناء پر آپ کو آئے دن ایسے حالات و واقعات کا علم ہوتا رہتا تھا جن سے Security Hazards کا پہلو نمایاں ہو۔ اس کے علاوہ تجارت اور زیارت کی غرض سے اہل عرب مکہ میں وارد ہوتے رہتے تھے۔ اور ان دونوں صورتوں کا تقاضا یہ تھا کہ باہر سے آنے والے مسافر مکہ معظمہ میں اپنے آپ کو محفوظ و مامون پائیں۔

Security جس طرح آج کے دور میں کاروبار حیات کے لئے اشد ضروری ہے۔ اسی طرح اس معاشرہ میں بھی اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ آپ نے اس بات کو بھانپا اور اس کے علاوہ اخلاق حسنہ کے پیش نظر آپ کمزور و ناتواں کو انسانوں کے جنگل کے قانون سے بچانا چاہتے تھے۔ مسافر بھی دوسرے شہر اور قریہ میں کمزور اور

ناتواں ہوتا ہے۔ اسی طرح معاشی لحاظ سے پس ماندہ فرد یا گروہ بھی صاحب ثروت کے سامنے کمزور ہوتا ہے۔ لہٰذا آپ نے ایک ایسی تحریک چلائی اور چند صحت مند فکر رکھنے والے بااثر افراد کو ایک انجمن کے قیام پر رضامند کیا۔ جس میں بنوہاشم۔ بنو مطلب۔ بنو اسد۔ بنو زہرہ۔ بنو تمیم کے افراد نے شامل ہو کر یہ عہد کیا کہ۔

۱۔ ہم ملک سے بدامنی دور کریں گے۔

۲۔ ہم مسافروں کی حفاظت کریں گے۔

۳۔ ہم غریبوں کی امداد کریں گے۔

۴۔ ہم زیردست پر زبردست کو ظلم سے روکیں گے۔

غور فرمائیے۔ معاشرتی زندگی کو کامیابی سے جاری و ساری رکھنے کے لئے Security بنیادی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا معاشرہ جس میں تجارت اور Tourism کی صنعت بنیادی حیثیت کی حامل ہو وہاں Security کی اہمیت بھی دوچند ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ان چاروں مقاصد کا تعلق Security اور Law and order کے قیام سے ہے۔ مگر پہلے دو مقاصد واضح طور پر Security کا عنصر لئے ہوئے ہیں۔ جبکہ دوسرے دو مقاصد اخلاقی پہلو کے حامل بھی ہیں۔جن میں غریبوں اور زیردستوں پر زبردستوں کے ظلم کو روکنا شامل ہے۔ دراصل معاشرہ کے امن و امان کو تہہ و بالا کرنے والے یہی عوامل ہوتے ہیں اور معاشرہ کو دیرپا امن دینے کے لئے ضروری ہے کہ ان عوامل کو جنم لینے سے روکا جائے۔ آپ کی دوررس نگاہوں نے یہ محسوس کر لیا کہ معاشرہ کو دائمی امن سے ہمکنار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مظلوم کی امداد کی جائے اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکا جائے۔ آپ کا فرمان یہ ہے کہ ظالم کو ظلم سے روکنا۔ ظالم اور مظلوم دونوں کی امداد ہے۔

ذرا ان واقعات کو آج کے حالات پر منطبق کر کے دیکھئے۔ آج تجارتی سرگرمیوں کو ناپنے کا بہترین پیمانہ Stock Market ہے۔ ملک کے کسی حصہ میں بدامنی کی خبر آئے۔ Stock Market میں حصص کی قیمتیں فوری طور پر گر جاتی ہیں اور امن و امان کی فضا قائم ہونے سے ہی یہ قیمتیں پھر روبہ ترقی ہو جاتی ہیں۔ ملکی امن کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی امن بھی ان پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور بین الاقوامی بدامنی

جس قدر قریب ہو گی وہ اسی قدر سرعت سے اس پر منفی اثرات ڈالے گی۔ خطہ افغانستان میں روس کی فوجوں کی مداخلت سے پاکستانی معیشت متاثر ہو گی۔ مگر نکاراگوا میں امریکی مداخلت اس پر اتنا زیادہ اثر نہ کرے گی کیونکہ ▪ دور ہے اور یہ قریب ہے۔ اس کے علاوہ امن و امان کی صورت حال میں کوئی ملک جس قدر براہ راست ملوث ہو گا اس کی معیشت پر اسی قدر براہ راست اثر پڑے گا۔

دنیا میں جس قدر انقلابات آئے اور خون خرابہ ہوا۔ وہ اسی بناء پر کہ غریب اور مظلوم کی فریادرسی نہ کی گئی اور ایسے عوامل کا بروقت سدباب نہ کیا گیا جو ظلم کی فضا کو پیدا کرتے اور قائم رکھتے ہیں اور بالآخر فکری' عملی انقلابات' انقلاب فرانس' انقلاب روس' اور انقلاب چین کی صورت میں رونما ہوئے۔ ▪ اپنے اندر ظلم اور بہیمیت کی داستانیں لئے ہوئے تھے۔ اگر ایسا نظام معاشرہ میں ہر سطح پر قائم کر دیا جائے اور موثر بین الاقوامی ادارہ بھی قائم ہو جو انفرادی اور اجتماعی سطح پر غریب' کمزور کے استحصال کو ناممکن بنا دے تو پھر کسی بڑے اور خونیں انقلاب کی ضرورت باقی نہ رہے گی اور یہ دنیا امن' سکون' آشتی کا گہوارہ بن جائے گی۔ حضور نے بعثت سے پہلے یہ ادارہ قائم کر کے آج کے فلاسفر' حکماء' سیاست دانوں کو دعوت فکر دی ہے اور مصلحین انسانیت کو عملی مظاہرہ کرنے کی دعوت بھی۔

آپ کے اس عمل سے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ اگرچہ مستقبل قریب میں آپ ایک بہت بڑے انقلاب کی داغ بیل رکھنے والے تھے۔ مگر آپ نے ایک نچلی سطح سے ایک معمولی مشن کو شروع کرنے سے گریز نہ کیا بلکہ زمانہ نبوت میں بھی فرمایا کرتے تھے کہ اگر آج بھی اس انجمن کے نام سے کوئی مدد کے لئے پکارے تو میں سب سے پہلے اس کی امداد کو تیار پایا جاؤں گا۔ آپ نے انجمن کی بنیاد رکھ کر ہر مسلمان کو دعوت عمل دی۔ اس انجمن کے قیام سے کئی صدیوں بعد انگلستان میں نائٹ ہڈ Knighthood کا حکم جاری ہوا۔ جس کے ممبران اسی قسم کا اقرار کیا کرتے تھے۔

تعمیر کعبہ کے وقت آپ کا حکم مقرر ہونا:۔ جب آنحضرت ۳۵ سال کے ہوئے تو بیت اللہ کی تعمیر کے دوران حجر اسود کے Fix کرنے کا موقع آیا تو قبائل میں اختلاف پیدا ہو گئے اور قریب تھا کہ عرب ایک بار پھر جنگ کی لپیٹ میں آ جائے۔ کہ قبائل

کے سرداروں کے ذہن میں خیال آیا کہ اس معاملہ میں کسی کو حکم یا فیصل بنایا جائے۔ لہٰذا طے یہ ہوا کہ جو شخص سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہ حکم ہو گا۔ اتفاقاً آپ تشریف لائے تو آپ کو دیکھ کر سب ہی خوش ہو گئے۔ کہ امین اور صادق تشریف لائے ہیں۔

دراصل آپ نے اپنے کردار اور عمل سے مکہ اور اس کے گردونواح میں صادق اور امین کے القابات حاصل کر لئے تھے۔ آپ نے جب معاملہ کی نوعیت کو جانچا تو ایک ترکیب آپ کو سوجھی اور آپ نے ایک چادر بچھائی۔ اس پر حجراسود کو اپنے ہاتھ سے رکھا اور قبائل کے سرداروں کو چادر پکڑنے کو کہا اور یوں حجر اسود کو چادر کے ذریعہ اس مقام تک لے گئے جہاں اسے دیوار میں چنا جانا تھا۔ وہاں بھی آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو چادر سے اٹھا کر دیوار میں چن دیا اور یوں آپ کی حکمت نے عرب کو جنگ کی لپیٹ میں جانے سے بچا لیا۔ غور کیجئے کہ ان حالات میں جب فضا میں غم و غصہ کی لہر دوڑ رہی ہو اور معززین شہر کے درمیان کشیدگی کی فضا پائی جاتی ہو اور اچانک معاملہ آپ کے سامنے فیصلہ کے لئے پیش کر دیا جائے تو اس سے بہتر فیصلہ کیا ہو سکتا تھا۔ یقیناً اس فیصلے کو تاقیامت سراہا جاتا رہے گا۔ جو آپ کی حکمت اور دانائی کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے۔

غار حرا میں غور و فکر

بعثت کے قریب آپ کا معمول ہو گیا تھا کہ آپ غار حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن اور رات وہاں عبادت اور غور و فکر میں گذارتے۔ دراصل اہل فکر اور اہل عقل و دانش کا یہ صدیوں سے دستور چلا آ رہا تھا کہ وہ اپنی ذات۔ کائنات۔ خالق کائنات اور تخلیق کائنات کے متعلق غور و فکر کی خاطر تنہائی میں کچھ ایام بسر کیا کرتے تھے اور استغراق کے لئے آج بھی یہ طریقہ رائج ہے اور یہ مسلمہ امر ہے کہ کسی بھی بڑی تخلیق اور انقلاب کے لئے اس طرح کا غور و فکر لازمی ہے۔ اسی استغراق میں آپ پر پہلی وحی الٰہی نازل ہوئی اور آپ کو داعیاً الی اللہ کی ذمہ داریوں سے نوازا گیا۔ آپ کا یہ عمل مفکرین کائنات میں آج بھی رائج ہے بلکہ کسی عظیم کام کے لئے اس قسم کا غور و فکر اور Meditation بہت ضروری ہے۔ ہمارے سربراہان مملکت کو بھی میٹنگ وغیرہ میں زیر بحث لائے جانے والے امور کو ازسرنو Meditation کے ذریعے زیر غور لانا چاہئے۔ تاکہ مادی زندگی میں کئے جانے والے فیصلے بھی بعد ازاں ناقص نہ پائے جائیں۔ اور اسی بناء پر ناقابل عمل نہ ہو جائیں۔ ان پر تنہائی میں اور کسی ایسے مقام پر جا کر جہاں زندگی کی مصروفیتیں نہ ہوں اور جہاں زندگی کی پر تکلف آسائشیں نہ ہوں۔ فطرت کے قریب ہو کر غور و فکر کرنے کے بعد انہیں نافذ کرنا چاہئے۔

بعثت کے بعد

مکی دور

آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے آفاقی پیغام کو پھیلانے کے لئے تبلیغ کو پانچ مختلف مراحل میں جس طرح تقسیم کیا وہ آپ کی حکمت کا مظہر ہے۔ آپ نے تبلیغ کے پہلے مرحلہ پر قریب کے رشتہ دار اور خاص خاص احباب کو منتخب کیا۔ دوسرے مرحلے پر شہر اور قوم کے تمام لوگوں سے خطاب فرمایا۔ تیسرے مرحلے پر مکہ کے اطراف و جوانب کے

قبیلوں سے رابطے کئے۔ چوتھے مرحلے پر عرب کے دیگر دور دراز کے علاقوں اور قبائل کی طرف رجوع کیا اور پانچویں مرحلہ پر جملہ متمدن اقوام اور دیگر مشہور مذاہب کے مشاہیر کو دعوت دی۔

ذرا غور کریں کہ آپؐ اگر پہلے مرحلے پر ہی دنیا کی متمدن اقوام اور ان کے مشاہیر سے رابطہ کرتے تو وہ ایک مضحکہ خیز تاثر پیش کرتا۔ اس کے علاوہ اس وقت دنیا میں بسنے والے، جن کی طرف آپ پیغام لے کر آئے تھے یہی حق رکھتے تھے کہ آپ اس انداز میں ان سے رابطہ کریں۔ کیونکہ جو جس قدر آپ سے قریب تھا اسے زیادہ حق تھا کہ وہ دعوت اور پیغام سے پہلے متمتع ہو۔ یہی حکمت کا اور انصاف کا تقاضا تھا۔

یوں بھی جب کوئی انقلابی پروگرام ترتیب دیا جاتا ہے تو پہلے ایک ایسی جماعت تیار کی جاتی ہے۔ جو ہر حالت میں اس انقلابی پروگرام کا ساتھ دینے کو تیار ہو۔ اور یہ جماعت استقامت کے بڑے امتحان اور کڑی آزمائشوں سے گزاری جاتی ہے۔ یہ بھی اس جماعت کی تربیت کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس جماعت کے پیغام اور اجتماعی Conduct کے ذریعہ گردوپیش کو ان کے انقلابی منشور سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ اور اس انقلابی منشور کے مضمرات۔ رموز اور فوائد کے پہلو اجاگر کر کے عام لوگوں کو اس میں شمولیت کی دعوت دی جاتی ہے۔ چونکہ حضورؐ کا انقلابی پروگرام آفاقی تھا۔ لہذا ایسے پروگرام کو بالآخر دنیا میں پھیلانے کے لئے پہلے اسے ایک خطہ زمین میں نافذ کر کے اس کے مثبت نتائج سے اقوام عالم کو روشناس کرایا جانا ضروری تھا۔ تاکہ دنیا کی تجربہ گاہ (World Laboratory) میں اسے Test کیا جائے۔ اور اس کے اجتماعی ثمرات سے اقوام عالم کو آگاہ کیا جائے اور آپ نے بھی بڑے حسن تدبر سے اس انقلابی پروگرام کو درجہ بدرجہ لوگوں سے روشناس کرایا۔ مصلحین کے اکثر اچھے اچھے پروگرام جب عملی کسوٹی پر پرکھے جاتے ہیں تو ناکام ہوتے ہیں اور بہت سے اچھے پروگرام ان کی Implementation Strategy کے ناقص ہونے کی بناء پر نافذ ہونے سے قبل ہی مسترد ہو جاتے ہیں۔ مگر آپ کا پیغام جس قدر اعلیٰ اور دستور جس قدر عمدہ تھا۔ آپ نے اس کے لئے اسی قدر اعلیٰ اور عمدہ Strategy بھی اختیار کی۔

جو پروگرام جتنا جاندار اور گردوپیش کے مروجہ طرق سے جس قدر متصادم ہو گا اس کی بیرونی عناصر اسی شد و مد سے مخالفت کریں گے۔ اگر اس پیمانے پر پرکھا جائے تو آپ کا انقلابی پروگرام بڑا ہی جاندار تھا۔ کیونکہ مکہ کے لوگوں نے بڑی شدت سے اس کا مقابلہ کیا۔ اور آپ کو اور آپ کے رفقاء کار کو بڑی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور ان کا یہ شدید ردعمل اس بات کا ثبوت تھا کہ ■ ہر شعبہ زندگی میں اسلام کے آفاقی اصولوں سے مزاحم تھے۔

ہجرت حبشہ کا تجربہ

جب کفار مکہ کے مظالم حد سے بڑھنے لگے تو آپ نے مسلمانوں کو اجازت دے دی کہ جو چاہے حبشہ کی طرف ہجرت کر جائے۔ بعد میں پیش آنے والے حالات ■ واقعات کی روشنی میں یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ضمن میں حبشہ کا انتخاب نہایت ہی مستحسن تھا۔ کیونکہ حبشہ کا بادشاہ نجاشی ایک منصف المزاج اور غیر متعصب انسان تھا۔ اور ایسا لگتا ہے کہ اس کی انصاف پسندی کے باعث وہ عوام اللناس میں بے حد مقبول تھا۔ اسی وجہ سے اس نے مسلمانوں کی واپسی کے بارے میں عمرو بن العاص کی مکی سفارت کی استدعا باوجود درباریوں کی حمایت کے مسترد کر دی اور اس کی عالی ظرفی اور منصف المزاجی اس بات سے عیاں ہے کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم طیبہ طاہرہ کے بارے میں قرآنی بیان سنا جو اگرچہ ان کے مروجہ عقائد کو باطل قرار دیتا تھا مگر اس نے قرآنی بیان کو نہ صرف تحمل سے سنا۔ بلکہ اس کی صداقت اور حقانیت پر بھرے دربار میں گواہی بھی دی۔ اسے علم تھا کہ اس کا یوں اسلامی نظریات اور عقائد کو درست قرار دینا اس کے خلاف عیسائی رعایا میں نفرت بھی پھیلا سکتا ہے۔ مگر ایسا لگتا ہے رعایا میں اس کی جڑیں بڑی مضبوط تھیں اور ■ حق و انصاف کی خاطر درباری حواریوں کی رائے کو پس پشت ڈالنے کی قدرت بھی رکھتا تھا۔ بعد ازاں اس تجربہ سے دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ ہجرت کا Chapter Open ہو گیا۔ اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ ہجرت مدینہ نے اسلام کے لئے ایک Gate Way کا کام دیا۔ اور اسلام ہجرت مدینہ کے بعد بیرونی دنیا سے متعارف ہوا۔ ہجرت حبشہ' ہجرت

مدینہ کے لئے سنگ میل ثابت ہوئی۔

اس تجربہ سے ایک اور فائدہ بین الاقوامی سطح پر یہ ہوا کہ حبشہ کے نجاشی بادشاہ کا تعارف ایک ایسی جماعت اور ان کے وجدانی پیغام اور نبیؐ آخرالزمان کی رسالت سے ہوا۔ کہ ابتدائی تعارف کی بدولت جب اسے مناسب وقت پر باقاعدہ Formal Invitation دی گئی تو اس نے فوری طور پر اسلام قبول کیا۔ اور یوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حبشہ میں اسلام پھیل گیا۔

مسلمانوں کے حبشہ میں قیام کی وجہ سے وہاں کی عیسائی آبادی بھی اس نئے دین سے متعارف ہو گئی تھی۔ اور بادشاہ نے دربار میں اس دین کا پیغام سن کر جو ردعمل اختیار کیا تھا۔ اس نے عیسائی آبادی میں اس دین کے ساتھ ہمدردی اور شفقت کے جذبات کو جنم دیا۔ بہرحال اس طرح دین اسلام مکہ کی سرزمین سے نکل کر بین الاقوامی سطح پر ایک بادشاہ کے دربار میں یعنی مرکز سلطنت میں متعارف ہوا۔ یہاں حضرت جعفرؓ کی تقریر کا متن تحریر نہ کرنا زیادتی ہو گی۔ کیونکہ یہ تقریر بڑے ہی موثر پیرایہ میں کی گئی تھی۔ اور اس تقریر میں آپؓ نے صرف انہی باتوں کو بیان کیا جو دین عیسوی میں اور اسلام میں قدر مشترک ہیں۔ آپ نے فرمایا۔

"اے بادشاہ ہم جہالت میں مبتلا تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ نجاست میں آلودہ تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بے ہودہ کام کیا کرتے تھے۔ ہم میں انسانیت اور سچی مہمانداری کا نام و نشان نہ تھا۔ ہمسایہ کی رعایت نہ تھی۔ کوئی قاعدہ و قانون نہ تھا۔ ایسی حالت میں خدا نے ہم میں سے ایک بزرگ کو مبعوث کیا۔ جس کے حسب و نسب' سچائی' دیانت داری' تقویٰ' پاکیزگی سے ہم خوب واقف تھے۔ اس نے ہم کو توحید کی دعوت دی اور سمجھایا کہ اس اکیلے خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ جانیں۔ اس نے ہم کو پتھروں کی پوجا سے روکا۔ اس نے فرمایا کہ ہم سچ بولیں۔ وعدہ پورا کریں۔ گناہوں سے دور رہیں۔ برائیوں سے بچیں۔ اس نے حکم دیا کہ ہم نماز پڑھا کریں۔ صدقہ دیں۔ روزے رکھا کریں۔ ہماری قوم ہم سے ان باتوں پر بگڑ بیٹھی ہے۔ قوم نے جہاں تک ہو سکا ہم کو ستایا۔ تاکہ ہم وحدہ لاشریک کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور لکڑی اور پتھر کی مورتیوں کی پوجا کرنے لگ جائیں۔ ہم نے ان کے ہاتھوں بہت

ظلم اور تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ اور جب مجبور ہو گئے تب تیرے ملک میں پناہ لینے کے لئے آئے ہیں۔"

یہاں تک حضرت جعفرؓ نے جو بیان کیا وہ اس وقت تک کی اسلامی تعلیمات کا نچوڑ تھا۔ اور اس میں کوئی ایسی نزاعی بات نہ تھی۔ جو دین عیسوی سے متصادم ہو۔ لہٰذا ایک قلب سلیم کا ان باتوں سے متاثر ہونا یقینی تھا۔ نجاشی متاثر ہوا۔ اور اس نے کہا کہ جو کتاب تمہارے نبی پر نازل کی گئی ہے۔ اس کا کچھ حصہ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۃ مریم سنائی۔ قرآن اور پھر اس کا وہ حصہ جس کی معلومات نجاشی اور اس کے درباریوں کو تھیں سحر انگیز ثابت ہوا۔ بادشاہ متاثر ہوا۔ اور کہا کہ "محمدؐ تو وہی رسول ہیں جن کی خبر یسوع مسیح نے دی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اس رسولؐ کا زمانہ ملا۔"

کفار مکہ نے اگرچہ درباریوں کو Win over کرنے کا تمام سامان کر رکھا تھا۔ اور اس ضمن میں جو Modern Techniques ہیں ان کے مطابق درباریوں اور وزراء کو دربار نجاشی میں ان کی حیثیت کے مطابق تحفے تحائف کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنا چکے تھے۔ مگر نجاشی نے اس بارے میں ان کا مطالبہ اور درباریوں کی سفارش دونوں کو مسترد کر دیا۔ تو کفار مکہ کو بین الاقوامی سطح پر مسلمانوں کے ہاتھوں یہ پہلی سفارتی ہزیمت اٹھانی پڑی اور اس نے جہاں اسلام کو ایک نئی جہت عطا کی وہاں کفار مکہ کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا۔

ہجرت حبشہ سے مسلمانوں کو ایک نیا ولولہ اور Confidence عطا ہوا۔ اور کفار کو پشیمانی۔ اور مسلمانوں کو کفار کے ظلم و ستم سے ایک پناہ گاہ میسر آ گئی۔ یوں یہ اقدام اسلام اور مسلمانوں کے لئے اپنے اندر بے شمار فوائد لئے ہوئے تھا۔

قریش مکہ کی تحریص اور آپ کا جواب

آنحضورؐ بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ اور آپ کے ساتھ گفتگو کرنے والا آپ کے خطاب سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ آپ قرآن حکیم کی تلاوت شروع کر دیتے تو سامع بالکل مسحور ہو جاتے۔ اسی وجہ سے قریش نے آپ کو شاعر اور ساحر کہنا شروع کر دیا اور چونکہ دنیاوی معیار کے مطابق آپ ہر قسم کے

خوف اور تحریص و ترغیب سے متاثر نہ ہوتے تھے۔ لہذا آپ کو مجنوں بھی کہنے لگ گئے۔

آخرکار کفار نے اپنے سردار عتبہ کو باہمی مشاورت سے آپؐ کے پاس بھیجا۔ چونکہ کفار مکہ نے یہ سمجھا کہ آپ کا مقصد و منتہا۔ دولت۔ شہرت۔ عزت۔ حکومت۔ سیادت ہی ہو سکتی ہے۔ لہذا عتبہ نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ قریش مکہ آپؐ کو یہ سب کچھ دینے کو تیار ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ اگر آپؐ (نعوذ باللہ) کے دماغ میں خلل واقع ہو گیا ہے تو آپؐ کا علاج کرانے کو تیار ہیں۔

اس کے جواب میں آپؐ نے عتبہ پر واضح کر دیا کہ آپؐ کو دولت۔ شہرت۔ عزت۔ سیادت۔ حکومت میں سے کچھ بھی تو نہ چاہئے اور یہ کہ آپ صحیح الدماغ ہیں۔ اور آپؐ نے قرآن حکیم کی تلاوت کی۔ جس سے عتبہ بہت متاثر ہوا۔ اور اس نے آ کر اہل قریش سے کہا۔ میں ایسا کلام سن کر آیا ہوں۔ جو نہ کہانت ہے۔ نہ شعر ہے۔ نہ جادو ہے۔ نہ منتر ہے۔ میرا کہا مانو تو محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔

جب یوں بھی مقصد پورا نہ ہوا۔ تو تمام قبیلوں کے سردار جمع ہو کر حضرت ابو طالب کے پاس گئے۔ اور انہیں مداخلت کرنے کو کہا اور ساتھ ہی حضورؐ کے قتل کی دھمکی بھی دی۔ حضرت ابو طالب نے حضورؐ کو بلایا اور سمجھایا۔ آپ نے فرمایا۔ "چچا اگر یہ لوگ سورج کو میرے داہنے ہاتھ پر اور چاند کو بائیں ہاتھ پر لا کر رکھ دیں۔ تب بھی میں اپنے کام سے نہ ہٹوں گا اور خدا کے حکم میں سے ایک حرف بھی کم و بیش نہ کروں گا اس کام میں خواہ میری جان بھی جاتی رہے۔"

جب یہاں بھی ناکام ہوئے تو قریش مکہ نے مشترکہ اجلاس میں حضورؐ کو بلوایا۔ تمام سرداران قریش کعبہ کے اندر جمع ہوئے۔ آپؐ تشریف لے گئے۔ وہاں بھی تمام سرداروں نے عتبہ والے مطالبے دہرائے۔ آپ نے ان کے جواب میں فرمایا۔ "تم نے جو کچھ کہا میری حالت کے ذرا بھی مطابق نہیں۔ جو تعلیم میں لے کر آیا ہوں وہ نہ طلب مال کے لئے ہے۔ نہ حصول سلطنت کے لئے۔ خدا نے مجھے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ مجھ پر کتاب اتاری ہے۔ مجھے اپنا بشیر و نذیر بنایا ہے۔ میں نے اپنے رب کے پیغام تم کو پہنچا دیئے ہیں اور تمہیں بخوبی سمجھا دیا ہے۔ اگر تم میری

تعلیمات کو قبول کر لو گے تو یہ تمہارے لئے دنیا و آخرت کا سرمایہ ہے۔ اگر رد کرو گے تب میں اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا۔ کہ وہ میرے اور تمہارے لئے کیا حکم بھیجتا ہے۔"

قریش نے کہا اچھا ہمارے لئے مکہ کے گردوپیش کے پہاڑوں کو تمہارا خدا ہٹا دے اور میدان کشادہ کر دے۔ اور نہریں بہا دے۔ قصی بن کلاب کو زندہ کر دے۔ ہم اس سے تمہاری بابت پوچھ سکیں۔ اگر اس نے تمہیں رسول مان لیا اور تو نے ہمارے دوسرے سوال بھی پورے کر دیئے تو ہم بھی تجھ پر یقین لے آئیں گے۔ آپؐ نے فرمایا۔

"میں ان کاموں کے لئے رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو اس کی تعلیم کے لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں نے خدا کے پیغامات تمہیں سنا دیئے ہیں۔ اگر تم اس تعلیم کو قبول کر لو گے تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لئے سرمایہ ہے۔ اور اگر رد کرو گے تو میں خدا کے حکم کا انتظار کروں گا۔ اسے میرا اور تمہارا جو فیصلہ کرنا ہو گا کر دے گا۔"

قریش نے پھر کہا کہ اگر تم ہمارے لئے سوال نہیں کرتے تو اپنے خدا سے اپنے لئے ہی باغات' محلات' سونے چاندی کے ڈھیر' مانگ لو اور ایک فرشتہ کو بطور مصاحب اپنے ساتھ مقرر کرا لو۔ جو تمہارے رسول ہونے کی تصدیق کرتا رہے۔ آپؐ نے فرمایا میں ایسا نہ کروں گا۔ قریش نے کہا کہ اچھا تم خدا سے کہو وہ آسمان کا ٹکڑا ہم پر بطور عذاب کے گرا دے۔ آپ نے فرمایا یہ "خدا کے اختیار میں ہے چاہے تو ایسا کرے۔"

آخر میں قریش نے کہا کہ تیرے خدا نے یہاں آنے سے پہلے تجھے آگاہ نہ کیا کہ ہم کس غرض سے تجھے بلا رہے ہیں اور یہاں پر ہم کیا مطالبات کریں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یمامہ کے ایک شخص رحمٰن سے تیرا میل جول ہے اور تمہیں ایسی باتیں سکھاتا ہے۔

قریش مکہ چونکہ نبوت کی کنہ اور ماہیت کا شعور نہ رکھتے تھے۔ لہٰذا انہوں نے یہی سمجھا کہ آپؐ کسی خاص Motive کی بناء پر ایسا کر رہے ہیں۔ Motive مادی

دنیا میں دولت۔ عزت۔ شہرت۔ قیادت۔ سیادت۔ حکومت کا حصول ہی ہو سکتا ہے۔ جب آپ نے ان تحریصات کو ٹھکرا دیا تو انہوں نے سمجھا کہ یہ مجنوں (نعوذ باللہ) ہے۔ اور علاج معالجہ کی پیش کش کی۔ ان کی باتوں کے جواب میں آپ نے عقل' بردباری' خلق' کا مظاہرہ کرتے ہوئے ان کی باتوں کو رد کیا اور نہایت سکون کے ساتھ عزم و استقلال کے ساتھ اپنے پیغام کی تفصیلات بتائیں۔

حضرت ابو طالب کے ذریعہ سے انہوں نے جو حربہ استعمال کیا اسے بھی بڑے احسن طریقہ پر رد کر دیا۔ پھر جملہ سرداران قوم نے اجتماعی دباؤ ڈالنے کی صورت نکالی اور کج بحثی میں الجھانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ معجزات کا مطالبہ کیا۔ اپنے لئے عذاب مانگا۔ مگر آپ نے کمال ضبط اور بے پناہ وقار اور متانت سے ان کو جواب دیئے۔

دراصل حضور کا پیغام آفاقی اور دائمی تھا۔ اور اس کی اشاعت میں وقتی معجزانہ بوقلمونیوں کا عمل دخل نہ ہونا چاہئے تھا۔ اس بناء پر آپ نے ان کے جملہ مطالبات رد کئے۔ اور اسلام کی حقیقی اور اصلی صورت کو ان کے سامنے پیش کیا۔ کیونکہ (کوئی دائمی پیغام معجزوں کے سہارے زندہ نہیں رہ سکتا۔ کہ معجزہ وقتی تاثر اور اس موقع پر موجود افراد کے لئے ہی سامان ہدایت فراہم کر سکتا جبکہ بعد میں آنے والوں کیلئے اس کی حیثیت تاریخی ہو کر رہ جاتی ہے۔ جبکہ اصل بات تعلیمات کی ہمہ گیری ہے)۔ اور آپؐ نے مسئلہ کے فوری حل کی بجائے اس کا اصل اور دیرپا حل تلاش کیا۔

قریش مکہ کی طرف سے تحریص۔ ترغیب۔ تخویف کے جملہ حربے آپؐ نے کمال ضبط۔ سکون۔ اور اطمینان قلب سے ناکام بنا دیئے۔ مگر اس تمام بحث و تکرار میں آپؐ نے اپنے جوابات کو صرف اور صرف اصل پیغام کی روح تک محدود رکھا۔ آپؐ نے ذاتی نوعیت کے الزامات کے جواب میں صرف ان کی تردید پر اکتفا کیا۔ اور اس بارے میں بحث کو طول نہ دیا۔ آپؐ کے جواب سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ آج کے دور میں اگر حق کے پرچار میں اور حق کی راہ پر چلنے میں کچھ لوگ الزامات عائد کریں تو حق و صداقت پر چلنے والے کو صرف ان الزامات کی ضروری حد تک تردید کرنی چاہئے۔ اور تفصیل اصل مسئلہ کی ہی بیان کرنی چاہئے اور اخلاق حسنہ کا دامن

کسی صورت میں نہ چھوڑنا چاہئے۔ کیونکہ اس طرح اصل مسئلہ سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ اور بیان کی طوالت اور وسعت اسے سمیٹنے میں رکاوٹ بنتی ہے۔)

بعد ازاں آپؐ تین سال تک شعب ابی طالب میں بنی ہاشم کے ساتھ محصور رہے اور قریش مکہ کی زیادتیوں نے قریش کے اندر ہی صالح ذہن رکھنے والے جوانوں کی ہمدردیاں بنی ہاشم اور آپ کی طرف منعطف کر دیں۔ ۱۰ نبوت میں حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہو گیا۔ اور اسی سال معراج کا واقعہ پیش آیا۔

مکہ کے گردو پیش کے قبائل کو تبلیغ

حضورؐ صلی اللہ علیہ [redacted] وآلہ وسلم کی دس سالہ تبلیغی کوششوں سے مکہ کے درودیوار اور گلی کوچے اور ان میں بسنے والے اسلام کے پیغام سے آشنا ہو چکے تھے۔ کچھ مسلمان ہو چکے تھے اور کچھ کفر میں شدت اختیار کر چکے تھے۔ مگر مکہ کا کوئی فرد ایسا نہ رہا تھا جس کے کانوں تک کلمہ حق نہ پہنچا ہو۔ اور جس نے اس پر ردعمل کا اظہار نہ کر دیا ہو۔ لہٰذا اب وقت آ گیا تھا۔ کہ تبلیغی پروگرام کے تیسرے مرحلے میں تبلیغی سرگرمیوں کو داخل کر دیا جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مکہ سے طائف کا سفر اختیار کیا۔ اور مکہ سے طائف پاپیادہ سفر کرتے ہوئے راستے میں جتنے عرب قبائل آئے آپؐ نے ان تک دین حق کا پیغام پہنچایا۔

طائف میں آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہاں کے تین سرداروں سے پہلے پہل رابطہ قائم کیا۔ آپ جانتے تھے کہ اگر سرداران قوم نے اس پیغام کو قبول کر لیا تو پھر قبیلے میں اس کے فروغ پانے کے امکانات زیادہ روشن ہوں گے۔ مگر ان تینوں بدبختوں نے شدت سے آپ کے پیغام کی مخالفت کی اور تحقیر آمیز زبان استعمال کی۔ اس کے جواب میں آپ نے جو کلمہ ادا فرمایا وہ حکمت سے پر ہے۔ آپ نے ان سے کہا کہ "اب میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اپنے خیالات اپنے تک ہی رکھو کیونکہ ایسا نہ ہو کہ تمہارے یہ خیالات دوسروں کے ٹھوکر کھانے کا سبب بن جائیں۔"

جب آپ نے محسوس کر لیا کہ ان تینوں پر کوئی اثر نہیں ہونے کا تو آپ نے ان

سے اس پیغام کی مخالفت نہ کرنے اور خاموشی اختیار کرنے کی استدعا کی اور اس کی وجہ یہ بتلائی کہ کہیں ان کے خیالات عام لوگوں کے ذہنوں پر اثر انداز ہوتے ہوئے ان کی گمراہی کا باعث نہ بن جائیں۔ آپ نے ان کو اپنے مکروہ خیالات سے اس بناء پر باز رہنے کی تلقین نہ کی کہ یہ غلط تھے اور اس سے آنجناب کی ذات کی تحقیر کا پہلو نکلتا تھا۔ کیونکہ سورج کو ساری دنیا مل کر تاریکی کا منبع بھی بتاتی رہے تب بھی روشنی ہے۔ اور روشنی ہی پھیلاتا رہے گا۔ اور اس کی شان میں ذرا کمی واقع نہ ہو گی۔ تاہم ان کے خیالات کے ثمرات ان کی قوم کی گمراہی کی صورت میں منتج ہو سکتے تھے۔ اور آپ نے اسی وجہ سے ان کو یہ کہا کہ میں تم سے ایمان لانے اور میرا ساتھ دینے کی خواہش نہیں کرتا بلکہ صرف خاموش رہنے کی خواہش کرتا ہوں۔ اس کے باوجود طائف کے لوگوں کا ردعمل بڑا تکلیف دہ تھا۔ مگر آپ نے اسے بھی خندہ پیشانی سے برداشت کیا۔ اور کسی کے کہنے پر کہ آپ اہل طائف کے حق میں بددعا کریں آپ نے فرمایا "میں ان لوگوں کی تباہی کے لئے کیوں دعا کروں۔ اگر یہ لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے تو کیا ہوا۔ امید ہے کہ ان کی آئندہ نسلیں ضرور ایک خدا پر ایمان لے آئیں گی۔"

آپؐ نے بددعا تو اس بناء پر بھی نہ کی کہ یہ رحمت اللعالمینی کے تقاضوں کے منافی تھی۔ اور اس کا بھی استدلال بڑا ہی معقول پیش کیا اور آنے والے حالات نے آپ کے اس استدلال کی تصدیق کر دی۔

طائف کے علاوہ آپؐ مختلف قبیلوں کی سکونت گاہوں پر تشریف لے گئے۔ وہاں قبیلوں کے سرداروں سے رابطہ قائم کرتے راستے میں آتے جاتے مسافروں کو دعوت اسلام دیتے۔ اور یوں آپ قبیلہ بنوکندہ، قبیلہ بنو عبداللہ، قبیلہ بنو حنیفہ، قبیلہ بنو عامر کے سرداروں سے ملے۔ آپ کی ان مساعی جمیلہ کی بدولت اسلام سرزمین مکہ سے باہر متعارف ہو گیا۔ اور یوں تھوڑے ہی عرصہ میں تبلیغ دین کا تیسرا مرحلہ طے ہوا۔ اور اس دوران عرب کے بہت مشہور اور بااثر لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن میں سوید بن صامت (شاعر)۔ ایاس بن معاذ۔ (خزرجی) ضماد ازدی یمن کا سوداگر۔ طفیل بن عمر دوسی۔ ابو ذر غفاری قابل ذکر ہیں۔

مختلف قبائل کے سرداروں سے رابطہ کرنے میں یہ مصلحت کارفرما تھی کہ ان کے قائل ہو جانے سے پورے قبیلے کے مشرف بہ اسلام ہونے کی توقع تھی۔ اگر سردار قبیلہ مسلمان نہ بھی ہوتا تو اس طرح اسلام کا پیغام فوری طور پر قبیلہ کے ہر فرد تک پہنچ جاتا اور یوں اسلام کو متعارف کرانے میں بھی آسانی ہوتی۔ اس طرح تبلیغ دین کا مدعا ہر صورت میں پورا ہو جاتا۔ آپؐ نے تبلیغ کے لئے جو Strategy اولاً تیار کرلی تھی اس پر بڑی تنظیم اور استقامت کے ساتھ عمل پیرا رہے۔

قبیلوں کے سردار کے ساتھ رابطہ مہم میں دو ایسے مقامات آتے ہیں۔ جو آپؐ کے طریقہ تبلیغ کی طرف بڑے لطیف اشارے پیش کرتے ہیں۔ جن سے آپؐ کے حکیمانہ انداز تبلیغ کی جھلک ملتی ہے۔

قبیلہ بنو عبداللہ کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو انہیں فرمایا۔ کہ تمہارے باپ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا اچھا نام "عبداللہ" عطا کیا تم بھی دین اسلام قبول کر کے اپنے باپ کے نام کی لاج رکھ لو۔ اور اسم بامسمّٰی ہو جاؤ۔ آپ نے تبلیغ دین کے لئے Modern Techniques استعمال کیں۔ اور اس قبیلہ کے جد امجد کے نام کی نسبت سے عربوں کے حسب و نسب کے تعلق کو ذریعہ تبلیغ بنایا۔

دوسرا واقعہ اس وقت پیش آیا۔ جب آپ نے قبیلہ بنو عامر کے سردار بحیرہ بن فراس سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے دعوت اسلام سن کر دریافت کیا۔ "اگر تمہارے پیش کئے ہوئے دعویٰ پر ہم تم سے بیعت کرلیں اور اللہ تمہیں ان لوگوں پر غلبہ دے دے جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں۔ تو کیا تمہارے بعد حکومت ہمیں ملے گی۔"

یہ بات اس حالت میں ہو رہی ہے کہ آپ کو اپنی امداد و اعانت کے لئے عرب قبائل کی اشد ضرورت ہے۔ آپ کی اپنی جان مکہ مکرمہ میں بھی محفوظ نہ ہے۔ آپ کے شفیق چچا کا سایہ سر سے اٹھ چکا ہے۔ آپ پناہ کی تلاش میں قبائل کے سرداروں سے رابطے کر رہے ہیں۔ مگر اللہ کا سچا رسول وقتی مصلحت اور ہمدردیوں کے حصول کے لئے کوئی ایسا وعدہ نہیں کرتا بلکہ وعدہ تو کیا کوئی ایسا مبہم جملہ بھی ادا نہیں کرتا جس سے وعدہ کا اشارہ ملتا ہو۔ اور یوں اس قبیلہ کے سردار کی اس بات کا جواب یہ فرماتے ہیں "حکومت اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے دے دے" اور اپنی طرف

سے سردار بنو عامر کی مشروط پیشکش کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی شخص کو کسی کی تائید اور حمایت حاصل کرنے کے لئے ایسا کوئی وعدہ نہیں کرنا چاہئے جس کے پورا کرنے پر اسے قدرت اور اختیار حاصل نہ ہو۔ ہماری مغربی جمہوریت کا شجر برگ و بار سے اسی بناء پر محروم ہے کہ اس کھیل میں وعدوں کے سبز باغ دکھا کر انتخابات میں لوگوں سے تائید اور حمایت تو حاصل کرلی جاتی ہے۔ مگر اس بات کا خیال نہیں رکھا جاتا کہ کیا ایسے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے قدرت، استطاعت اور وسائل مہیا ہیں اور جب وعدے پورے نہیں ہوتے تو نفرتوں کا الاؤ جنم لیتا ہے۔ جو اس شجر جمہوریت کو بھسم کر دیتا ہے۔

اہل مدینہ سے ملاقات

اب تبلیغ دین حق اپنے چوتھے مرحلے میں داخل ہو رہی تھی۔ جہاں عرب کے دیگر علاقوں اور جملہ قبائل میں اسلام کا پھیلانا مقصود تھا۔ ۱۱ نبوت حج کا زمانہ تھا۔ آنحضور حج کے موقع پر مختلف وفود کو تبلیغ دین کے لئے ملا کرتے تھے۔ اسی اثناء میں آپ کی ملاقات عقبہ کے مقام پر مدینہ منورہ سے آئے ہوئے بنو خزرج کے چھ افراد سے ہوئی۔ آپ نے ان کو اسلام سے متعارف کرایا۔ تو وہ جملہ چھ کس مسلمان ہو گئے۔

دوسرے سال ۱۲ نبوت کو پھر مقام عقبہ پر مدینہ منورہ سے بارہ اشخاص تشریف لائے۔ اور حضورؐ کے دست مبارک پر بیعت کرتے ہوئے عہد کیا۔

۱۔ ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے۔
۲۔ ہم چوری اور زناکاری نہ کریں گے۔
۳۔ ہم اپنی اولاد (لڑکیوں) کو قتل نہ کریں گے۔
۴۔ ہم کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے۔ اور نہ کسی کی چغلی کریں گے۔
۵۔ ہم ہر ایک اچھی بات میں نبیؐ کی اطاعت کریں گے۔

واپسی پر حضورؐ نے مصعب بن عمیرؓ کو تبلیغ دین کے لئے ان کے ہمراہ کر دیا۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کی کارکردگی مدینہ منورہ میں قابل ستائش رہی اور اگلے سال

۱۳ نبوت میں حج کے موقع پر مدینہ منورہ سے ۷۳ مرد اور ۳ عورتیں تشریف لائے۔ اور یوں مدینہ منورہ کے تمام قبائل میں اسلام کا پیغام پھیل گیا۔ اور مکہ سے تقریباً چار سو میل دور مدینہ اور اس کے گردونواح میں بسنے والے اسلام سے متعارف ہو گئے۔

بیعت عقبہ ثانی

مدینہ سے آنے والے ۷۳ مرد اور ۳ عورتیں عقبہ کے مقام پر جمع ہوئے۔ اور آپؐ اپنے چچا حضرت عباس (جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے) کے ہمراہ رات کی تاریکی میں طے شدہ پروگرام کے مطابق وہاں تشریف لے گئے۔ اہل مدینہ سے پہلے حضرت عباس نے خطاب کیا۔ آپ کا خطاب بڑا اہم ہے۔ لہٰذا اسے قلمبند کیا جاتا ہے۔

"اے گروہ خزرج محمدؐ کو ہم میں جو حیثیت حاصل ہے وہ تم لوگ جانتے ہو۔ ہم میں سے ان لوگوں نے جو ان کے متعلق ہماری رائے سے متفق ہیں اب تک ان کی حفاظت کی ہے۔ یہ اپنی قوم میں عزت والے اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں۔ لیکن یہ اپنا وطن چھوڑ کر تمہاری طرف جانے اور تم سے مل کر رہنے کے سوا دوسری کسی بات کو مانتے ہی نہیں۔ اگر یہ سمجھتے ہو کہ تم انہیں جس جانب بلا رہے ہو وہاں ان کا حق پورا پورا ادا کر دو گے اور مخالفوں سے بچاؤ گے تو جو بار اپنی خوشی سے سر لیتے ہو لو۔ اور اگر انہیں لے جانے کے بعد مخالفوں کے حوالے کر دینے اور ان کی مدد سے دستبردار ہو جانے کا خیال ہو تو اس وقت دست کش ہو جاؤ۔ کہ یہ اپنی قوم اور اپنے شہر میں معزز اور محفوظ ہیں۔"

اس پر گروہ انصار نے کہا یارسول اللہ آپ فرمائیں۔ آپؐ نے قرآن کریم تلاوت فرمایا۔ اسلام کی دعوت دی۔ اور پھر فرمایا۔ "میں تم سے اس بات کی بیعت لینا چاہتا ہوں کہ تم میری حفاظت ان چیزوں سے کرو گے جن سے تم اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔"

ابو الہیثم نے وہاں کہا۔ "یارسول اللہ ہم میں اور یہود میں خصوصی تعلقات ہیں۔ ہم یہ تعلقات ان سے منقطع کر لیں گے۔ اگر ہم نے ایسا کیا اور اللہ تعالیٰ نے

بعد میں آپ کو غلبہ عطا کیا تو ایسا تو نہ ہو گا کہ آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف لوٹ آئیں۔"

رسول اللہؐ نے تبسم کرتے ہوئے فرمایا۔ "ایسا نہ ہو گا۔ بلکہ میرا خون کا مطالبہ تمہارا خون کا مطالبہ ہو گا۔ میرا خون کا معاف کرنا تمہارا معاف کرنا ہو گا۔ تم مجھ سے ہو جاؤ گے اور میں تم سے ہو جاؤں گا۔ جس سے تم جنگ کرو گے میں اس سے برسرپیکار ہوں گا جس سے تم صلح کرو گے میں بھی اس سے مصالحت کروں گا۔"

اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ اور اس کے گردونواح میں تبلیغ اور نومسلموں کے مابین انتظام و انصرام کے لئے بارہ نقیب مقرر کر دیئے۔

بیعت عقبہ اولی و ثانی اپنے اندر بے پناہ حکمتیں لئے ہوئے ہیں۔ جن میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔

ا۔ بیعت عقبہ اولی بڑی سادہ اور عام فہم تھی۔ توحید باری تعالٰی کے بعد جملہ معاشرتی آداب سکھلائے گئے۔ مگر سب سے آخیر میں جو عہد تھا وہ یہ تھا کہ "ہم ہر اچھی بات میں نبیؐ کی اطاعت کریں گے" یہ جملہ یوں بھی ہو سکتا تھا اور بعد کے دور میں اسی طرح ادا ہوا کہ "ہم ہر معاملے میں نبیؐ کی اطاعت کریں گے" اگرچہ حقیقت کے لحاظ سے دونوں جملے یکساں مطالب کے حامل ہیں۔ مگر ظاہر میں ان میں فرق ہے۔ بیعت عقبہ میں جو عہد ہوا وہ Qualified تھا۔ جبکہ بعد کا عہد Unqualified ہے۔ دراصل بیعت عقبہ اولی کے وقت مسلمان ہونے والے نبوت کی حقیقت اور نبیؐ کے مقام سے اس طرح آشنا نہ تھے جس طرح بعد میں مسلمان ہو چکے تھے اور یہ Qualified جملہ کہہ کر آنحضورؐ نے ان کے ذہنوں کے کسی گوشہ میں پیدا ہونے والے شک کو ختم فرما دیا کہ ان پر اپنی ہر قسم کی اطاعت کو فرض قرار دے کر ایک تسلط قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے ہر اچھی بات میں اپنی اطاعت کا عہد لیا۔ اگرچہ آج بجاطور پر مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ آپ کی ہر بات اچھی۔ ہر قول۔ اعلیٰ۔ ہر فعل مستحسن ہے۔ مگر ابتداء میں اس قسم کی شرط شکوک و شبہات کا شائبہ پیدا کر سکتی تھی۔ لہٰذا اسے Qualified کیا گیا۔ یہ اسی طرح کہ ہر نبیؐ نے دعوت حق دینے کے فوراً بعد اپنی قوم سے فرمایا کہ ہم اس دعوت و تبلیغ کا کوئی اجر یا معاوضہ تم سے طلب

نہیں کرتے اور یہ کہہ کر ہر قسم کے ذاتی۔ مادی منفعت کے حصول کی نفی کر دی۔ اسی طرح حضورؐ نے پہلی بیعت عقبہ میں اپنی اتباع کو مشروط بنا دیا۔ اور یہ شرط ایسی تھی کہ کسی نکتہ چین کو نکتہ چینی کا موقعہ نہ مل سکتا تھا۔ کیونکہ ہر اچھی بات میں اطاعت کرنے کا عہد ہدف تنقید نہیں بن سکتا۔

۲۔ ان بارہ افراد کو اسلام کے طریق پر مستحکم کرنے اور اہل مدینہ کو اسلام سے روشناس کرانے کے لئے دین حقہ کے ایک باعمل عالم کے تعینات کرنے کی اشد ضرورت تھی۔ جو آنحضورؐ کے مدینہ پہنچنے تک آپ کے فرائض سرانجام دے سکے۔ اور مدینہ منورہ کی تازہ ترین صورت حال سے آپ کو آگاہ کرتا رہے۔ بعد کے حالات نے بتلایا کہ حضرت معصب بن عمرؓ نے یہ جملہ ذمہ داریاں بڑے احسن طریق پر سرانجام دیں۔ اور آپ کی تبلیغ کے انداز اور تبلیغ کے Contents دونوں سے حوصلہ افزاء نتائج برآمد ہوئے اور اگلے سال ۷۶ مرد و زن کا قافلہ عقبہ کے مقام پر مشرف بہ اسلام ہوا اور ساتھ ہی آنحضورؐ کو مدینہ منورہ آنے اور قیام کرنے کی دعوت دی۔

۳۔ بیعت عقبہ ثانی کے موقع پر حضرت عباس کا آپؐ کے ہمراہ ہونا اور ان کا وہاں خطاب کرنا بڑی حکمت کا حامل تھا۔ حضرت عباس آنحضورؐ کے چچا اور حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد بنی ہاشم میں آپ کے کفیل بھی تھے)۔ اور ایسا خطاب ان کی طرف سے بالکل فطری اور موزوں امر تھا۔ کیونکہ آنحضورؐ کی حفاظت بنو ہاشم کا ذمہ تھی اور وہ بنو ہاشم کی اس ذمہ داری کے امین تھے کیونکہ آپ مسلمان نہ ہوتے ہوئے بھی حضرت ابوطالب کی طرح اس ذمہ داری کو قبول کئے ہوئے تھے۔ لہٰذا حزم و احتیاط کا تقاضا تھا کہ حضورؐ کے مدینہ رخصت ہونے سے قبل اس بات کا بالمشافہ اطمینان کر لیا جائے کہ کیا اہل مدینہ اس ذمہ داری کے مضمرات سے واقف ہیں۔ اور آنے والے خطرات سے لاعلمی میں یا کسی وقتی جذبے کے تحت اس ذمہ داری کے خطرے کو نہ بھانپتے ہوئے اسے قبول کرنے پر تیار تو نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر حضورؐ کو کچھ ہو جاتا یا مدینہ سے پھر بنو ہاشم کو ہی آپ کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالنا پڑتی تو اس صورت میں زیادہ پشیمانی' تکالیف اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ حضرت عباس کا یہ

اطمینان کرنا ایک دانا۔ عقلمند۔ صاحب فراست کی طرف سے تمام احتیاطی تدابیر کو ملحوظ رکھنے کے مترادف تھا اور چونکہ حضورؐ جانے کو تیار تھے لہٰذا جن قریبی عزیزوں نے آپ کی خاطر شعب ابی طالب کی مشکلات برداشت کی تھیں اور جنھوں نے تمام قریش کی مخالفت کی پرواہ نہ کی تھی ان کی رائے کو اس بارے میں اہمیت دینا ضروری تھا۔ مگر ساتھ ہی احتیاط کا تقاضا تھا کہ آپ اپنے اس مشن کو عام بھی نہ کریں۔ لہٰذا بنی ہاشم میں حضرت عباس ہی وہ واحد شخصیت تھی جس پر آپؐ یہ راز افشاء کر سکتے تھے۔ لہٰذا آپ نے اسی حد تک کہ جس حد تک بالکل ضروری تھا اس راز کو افشاء کیا اور صرف اس شخصیت پر جس پر کرنا ضروری تھا۔ اور جو اس راز کا حامل اور امین بننے کا اہل تھا۔ آپ کے اس عمل سے یہ حکمت عیاں ہے کہ سنگین سے سنگین راز کے لئے بھی کوئی نہ کوئی رازداں ہونا ضروری ہے۔ مگر رازداں ہو امانت دار اور وفادار۔ اس کا انتخاب بڑا ہی اہم ہے۔

۴۔ آپؐ نے منجملہ دیگر باتوں کے عقبہ ثانی میں موجود اہل مدینہ سے اپنی حفاظت کا عہد بھی لیا۔ جس کی اہمیت حضرت عباس ان پر واضح کر چکے تھے۔

۵۔ وہاں جب اہل مدینہ ہی سے ابو الہیثم نے آپ سے سوال کیا تو آپ نے خندہ پیشانی سے ایسا واضح اور صاف جواب دیا کہ اہل مدینہ کے تمام حجابات دور ہو گئے اور آپؐ نے ان کی بیعت سے پہلے اپنی طرف سے ان کو عہد دے دیا۔ جس سے ان کو آپؐ کی ہر قیمت پر حفاظت کرنے کا عہد و پیمان باندھنے میں سارے حجابات جاتے رہے۔

۶۔ یہی بیعت عقبہ ثانی بعد میں ہجرت کا پیش خیمہ ثابت ہوئی اور ہجرت مدینہ ہی اسلام کی ترقی و ترویج کا ذریعہ بنی اور یوں بیعت عقبہ ثانی اور اس میں جانبین سے عہد و پیمان کا سلسلہ تاقیامت دین اسلام کی روزافزوں ترقی میں پہلا زینہ ثابت ہوا۔

ہجرت مدینہ

ہجرت مدینہ کی تفاصیل میں جانے کی یہاں ضرورت نہیں۔ آپؐ نے ہجرت مدینہ کے لئے ماحول تیار کر لیا تھا۔ کفار مکہ کی سازش کی بدولت وہ لمحہ آ پہنچا۔ آپؐ حضرت

علیؓ کو اپنے بستر پر اپنی چادر میں سویا چھوڑ کر خود نکل کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر پہنچے۔ وہاں سے زاد سفر لے کر غار ثور کی طرف اور پھر غار ثور میں قیام فرمایا۔

آپؐ نے اپنے پیچھے حضرت علیؓ اور اپنے رفیق سفر حضرت ابوبکرؓ کا جو انتخاب کیا وہ عین فطری تقاضوں کے مطابق تھا۔ حضرت علیؓ اہل خانہ میں سے تھے۔ اور ان کے ذمہ امانتوں کا کام سونپا گیا۔ کیونکہ یہ دستور ہے کہ جب بھی کوئی شخص کسی کی امانت یا مال دولت کا امین ہو اور وہ چلا جائے تو امانت رکھوانے والا اس کے قریبی خونی رشتہ دار کے پاس اپنا مطالبہ لا سکتا ہے۔ آپ نے اپنے بستر پر حضرت علیؓ کو اپنی چادر میں سلایا اور یوں کفار نے آپؐ کی چادر میں بستر پر کسی کو سوتے دیکھا تو سمجھے کہ آپؐ ہی ہیں۔ اور یوں تعاقب میں تاخیر ہو گئی۔ اور اس میں آپؐ کی اس چادر نے جو حضرت علیؓ اوڑھے ہوئے تھے زیادہ کام کیا۔

حضرت ابوبکرؓ پہلے سے اس موقع کے لئے تیار تھے اور آپ نے انتظامات کر رکھے تھے۔ جو بعد ازاں کام آئے۔ جن میں غار ثور کے قیام کے دوران طعام اور اہل مکہ کے عزائم سے باخبر رکھنے کا انتظام تھا۔ اور غار ثور سے مدینہ منورہ روانگی کے لئے سواری اور راستے کے Guide کا بندوبست تھا۔ آپؐ درمیانی راستے کو چھوڑ کر سمندر کے کنارے کنارے چل پڑے۔ اور سات یوم کے سفر کے بعد ۸ ربیع الاول ۱۳ نبوت۔ ۲۴ ستمبر ۶۲۲ء آپؐ قبا میں جا اترے۔ اسی مقام پر حضرت علیؓ بھی بعد میں آپؐ سے آن ملے۔

ہجرت مدینہ منورہ بلاشبہ ایک بہت بڑا اور اہم قدم تھا۔ جس میں حکمت نبویؐ کے بے شمار پہلو پنہاں تھے جن میں سے چشم ظاہر کو نظر آنے والے چند پہلو درج ذیل ہیں۔

۱۔ ہجرت سے قبل آپ نے اہالیان مکہ اور مکہ کے گردو پیش میں بسنے والوں پر تبلیغ دین کی حجت تمام کر لی۔

۲۔ اہل مدینہ کے ساتھ پہلی اور دوسری ملاقات میں ان کے Response کو آپ نے جانچا اور وہاں پر فضا کو خوشگوار پایا تو آپؐ نے مدینہ تشریف لے جانے کا ارادہ کر لیا۔

۳- ہجرت سے قبل اہل مدینہ کو بیعت عقبی ثانیہ کے موقع پر ذہنی و قلبی طور پر اس بار امانت کو اٹھانے کیلئے پوری طرح تیار کیا۔

۴- اس ضمن میں حضرت عباس پر اپنے ارادہ کو ظاہر کیا اور ان کو بیعت عقبی ثانیہ میں ساتھ رکھا اور ان کی تقریر سے اہل مدینہ پر واضح اور دو ٹوک الفاظ میں ان کی آنے والی ذمہ داریوں کو منکشف کر دیا گیا۔

۵- اپنے گھر سے رخصت ہونے والی رات کو تمام ضروری احتیاطی تدابیر کو ملحوظ رکھا۔

۶- اپنے پیچھے حضرت علیؓ اور اپنے ساتھ شریک سفر کے لئے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا۔

۷- ہجرت کے وقت غار ثور میں تین روزہ قیام کے دوران اپنے آپ کو دشمن کے ارادوں اور پروگرام سے باخبر رکھا۔

۸- اس دوران ضروریات زندگی اور سواری کی فراہمی کا نہایت اعلیٰ اور رازداری سے اہتمام کرایا۔

۹- غار ثور سے نکل کر عام راستے سے ہٹ کر سمندر کے ساتھ ساتھ کا راستہ اختیار کیا۔

یہ ساری تدابیر آپ کی اعلیٰ Planning اور تدبر و حکمت عملی کا روشن و بین ثبوت ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان کو آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر بڑے سے بڑے مشن کیلئے چھوٹے سے چھوٹے درپیش آنے والے مسئلہ پر پہلے سے غور و خوض کر کے اس کا حل تلاش کر لینا چاہئے اور اس کی کامیابی کے لئے ضروری پلاننگ کر لینی چاہئے۔ اور تمام تر احتیاطی تدابیر کر کے بھروقت پر اس مشن کیلئے عملی قدم اٹھانا چاہئے۔

اولیں خطبہ

حضورؐ قبا سے جمعہ کے روز مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے اور راستے میں بنی سالم کی آبادی میں نماز جمعہ ادا کی۔ آپ نے وہاں جمعہ کی نماز کا جو خطبہ دیا اس کا متن

درج ذیل ہے۔

خطبہ

"حمد و ستائش خدا کے لئے ہے۔ میں اس کی حمد کرتا ہوں۔ مدد۔ بخشش اور ہدایت اسی سے چاہتا ہوں۔ میرا ایمان اسی پر ہے۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کرتا۔ اور نافرمانی کرنے والوں سے عداوت رکھتا ہوں۔ میری شہادت یہ ہے کہ خدا کے سوا عبادت کے لائق کوئی بھی نہیں۔ وہ یکتا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ اسی نے محمدؐ کو ہدایت۔ نور اور نصیحت کے ساتھ ایسے زمانے میں بھیجا ہے۔ جبکہ مدتوں سے کوئی رسول دنیا میں نہ آیا۔ علم گھٹ گیا۔ اور گمراہی بڑھ گئی تھی۔ اسے آخری زمانے میں قیامت کے قرب اور موت کی نزدیکی کے وقت بھیجا گیا ہے۔ جو کوئی خدا اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہی راہ یاب ہے۔ اور جس نے اس کا حکم نہ مانا وہ بھٹک گیا۔ درجہ سے گر گیا۔ اور سخت گمراہی میں پھنس گیا۔ مسلمانو میں تمہیں اللہ سے تقویٰ کی نصیحت کرتا ہوں۔ بہترین وصیت جو مسلمان مسلمان کو کر سکتا ہے۔ یہ ہے کہ اسے آخرت کے لئے آمادہ کرے۔ اور اللہ سے تقویٰ کے لئے کہے۔ لوگو جن باتوں سے خدا نے تمہیں پرہیز کرنے کو کہا ہے ان سے بچتے رہو۔ اس سے بڑھ کر نہ کوئی نصیحت ہے اور اس سے بڑھ کر نہ کوئی ذکر ہے۔"

یاد رکھو! امور آخرت کے بارے میں اس شخص کے لئے جو خدا سے ڈر کر کام کر رہا ہے۔ تقویٰ بہترین مدد ثابت ہو گا۔ اور جب کوئی شخص اپنے اور خدا کے درمیان کا معاملہ خفیہ و ظاہر درست کر لے گا اور ایسا کرنے میں اس کی نیت خالص ہو گی تو ایسا کرنا اس کے لئے دنیا میں ذکر اور موت کے بعد ذخیرہ بن جائے گا۔ لیکن اگر ایسا نہیں کرتا تو انسان پسند کرے گا کہ اس کے اعمال اس سے دور ہی رکھے جائیں۔

خدا تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے۔ اور خدا تو اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے۔

اور جس شخص نے خدا کے حکم کو سچ جانا اور اس کے وعدوں کو پورا کیا تو اس کی بابت یہ ارشاد الٰہی موجود ہے۔

"ہمارے ہاں بات نہیں بدلتی اور ہم اپنے ناچیز بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔"

مسلمانو اپنے موجودہ اور آئندہ ظاہر اور خفیہ کاموں میں اللہ سے تقویٰ کو پیش

نظر رکھو۔ کیونکہ تقویٰ والوں کی بدیاں چھوڑ دی جاتی ہیں۔ اور اجر بڑھا دیا جاتا ہے۔ تقویٰ والے وہ ہیں جو بہت بڑی مراد کو پہنچ جائیں گے۔ یہ تقویٰ یہی ہے جو اللہ کی بیزاری' عذاب اور غصے کو دور کر دیتا ہے۔ یہ تقویٰ یہی ہے جو چہرہ کو درخشاں۔ پروردگار کو خوشنود اور درجہ کو بلند کرتا ہے۔

مسلمانو حظ اٹھاؤ مگر حقوق الٰہی میں فرو گذاشت نہ کرو۔ خدا نے اسی لئے تم کو اپنی کتاب کی تعلیم دی ہے اور اپنا رستہ دکھایا ہے۔ کہ راست بازوں اور کاذبوں کو الگ الگ کر دیا جائے۔ لوگو خدا نے تمہارے ساتھ عمدہ برتاؤ کیا۔ تم بھی لوگوں کے ساتھ ایسا ہی کرو۔ جو خدا کے دشمن ہیں۔ انہیں دشمن سمجھو۔ اور اللہ کے رستے میں پوری ہمت اور توجہ سے کوشاں رہو۔ اس نے تم کو برگزیدہ بنایا۔ اور تمہارا نام مسلمان رکھا۔ تاکہ ہلاک ہونے والا بھی روشن دلائل پر ہلاک ہو۔ اور زندگی پانے والا بھی روشن دلائل پر زندگی پائے اور سب نیکیاں اللہ کی مدد سے ہیں۔

لوگو اللہ کا ذکر کرو۔ اور آئندہ زندگی کے لئے عمل کرو۔ کیونکہ جو شخص اپنے اور خدا کے درمیان معاملہ درست کر لیتا ہے۔ اللہ تعالٰی اس کے اور لوگوں کے درمیان معاملہ درست کر لیتا ہے۔ ہاں خدا بندوں پر حکم چلاتا ہے۔ اور اس پر کسی کا حکم نہیں چلتا۔ خدا بندوں کا مالک ہے۔ اور بندوں کا اس پر کچھ اختیار نہیں۔ خدا سب سے بڑا ہے اور ہمیں طاقت اسی عظمت والے سے ملتی ہے۔"

مدینہ میں مسلمانوں کے اجتماع سے یہ آپؐ کا پہلا خطاب تھا۔ اس خطاب میں آپؐ نے خداوند تعالٰی کی حمد و ثناء کے بعد حاضرین کو مقام رسالت سے متعارف کرایا۔ آپ کی بعثت کے وقت دنیا کی حالت سرسری طور پر بیان فرمائی۔ اطاعت خدا و رسول کی اہمیت بیان کی۔ تقویٰ کی تلقین کی۔ تقویٰ کی تعریف اور قیامت کے روز متقی اور غیر متقی کی حالت کا موازنہ کیا۔ اور تقویٰ کے فوائد گنوائے۔ دنیا سے متمتع ہوتے ہوئے حقوق الٰہی کا پاس کرنے کی نصیحت کی۔ حقوق العباد کی نصیحت کی۔ نیک زندگی اختیار کرنے پر زور دیا۔ اور نیکی کے فوائد گنوائے۔

آپؐ کا یہ خطبہ نہایت مختصر مگر جامع تھا۔ آپؐ چونکہ افصح العرب تھے۔ لہذا آپؐ کے تمام خطبات بڑے جامع ہوا کرتے تھے۔ آپ بات کو دہراتے نہ تھے۔ اور نہایت

شستہ زبان میں سلاست کے ساتھ بیان کرتے چلے جاتے تھے اور خطبے کو غیر ضروری طول نہ دیا کرتے تھے۔ اس خطبہ میں آپ نے وہ تمام باتیں بیان کر دیں جو ابتدائی طور پر مسلمانوں کے قلب و ذہن میں راسخ کرانی مقصود تھیں۔ ان میں سب سے پہلے تقویٰ تھا۔) متقی ایک عام معاشرہ میں Law Ahiding Citizen ہوا کرتا ہے۔ جو معاشرتی قوانین کے "نہی عن المنکر" پر مبنی احکامات کی پاسداری کرتا ہے۔ اسلام ہی دراصل بنیادی طور پر معاشرتی قوانین کا حامل ہے۔ اور معاشرے میں پھیلے ہوئے یا پھیلنے والے منکرات سے روکتا ہے۔ تاکہ انسانی معاشرہ میں امن و سکون رہے۔ قانون کی بالادستی قائم رہے۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے سب سے پہلے انسانی معاشرہ کو ایسے افراد کی کثرت سے ضرورت ہے جو اپنے آپ پر قانونی پابندیاں عائد کر سکیں اور اپنے اندر چھپے ہوئے ایسے انسان کو جو قانون کو ہاتھ میں لینے کی رغبت رکھتا ہے رام کر سکیں) جب ایسے افراد کی ایک ٹیم تیار ہو جائیگی تو پھر ان میں سے بعض بعض ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیں گے جو نیکی۔ اعلیٰ اقدار کی کسوٹی پر پورے اترتے ہیں۔ آپ یوں سمجھئے کہ انہی افراد کے ذریعے معاشرہ میں دیانتداری۔ راست بازی۔ قربانی۔ ملی حمیت۔ صبر و استقلال۔ پامردی۔ ملی مفادات کو ذاتی مفادات پر ترجیح دینے کے عمل اور بے لوث خدمت کا دور دورہ ہو گا۔ یہ ایسے اقدار ہیں جن کے حامل انسان پھر دیگر افراد معاشرہ سے ممتاز کر دیئے جاتے ہیں اور ان کو خصوصی اعزازات۔ القابات۔ انعامات سے نوازا جاتا ہے۔ یہ نیکوں کا اور صالح لوگوں کا گروہ ہوتا ہے۔ (اسی طرح آپ نے اس خطبہ میں پہلے تقویٰ۔ اور پھر نیکی کی تلقین کی ہے۔ پہلے معاشرہ میں پھیلی ہوئی Negativity کو ختم کرنا مقصود ہے۔ اور پھر اسے Positivity کی طرف لے جانا ہے۔ اور آپ نے اس معاشرتی نظام کے اس خطبہ میں خدوخال واضح کر دیئے۔

اسلام کا پہلا بین الاقوامی معاہدہ

آنحضورؐ جب مدینہ میں تشریف لاتے ہیں تو مدینہ کے معاشرتی حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد مسلمانوں اور یہود کے درمیان معاہدہ ترتیب دیتے ہیں۔ یہ معاہدہ بین

الاقوامی سطح پر بڑی حکمت کا حامل ہے۔ آپؐ کی دوررس نگاہیں بھانپ چکی تھیں کہ مدینہ منورہ میں اسلام کا جو پودا لگایا جا رہا ہے اسے سازگار ماحول فراہم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مدینہ کی غیر مسلم قوت کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ طے کیا جائے جو امن و آشتی کا ماحول پیدا کردے۔ اور اس کے علاوہ بیرونی حملہ (جو قریش مکہ سے مسلمانوں کے خلاف متوقع تھا۔ جبکہ یہود مدینہ کو ایسی کوئی Threat نہ تھی) کی صورت میں مسلمانوں کو ایک قوی حلیف مہیا کرے۔ اس معاہدہ کی چیدہ چیدہ شرائط درج ذیل تھیں۔

۱۔ معاہدہ میں شامل فریق ایک قوم سمجھے جائیں گے۔

۲۔ معاہدہ میں شامل کسی فریق کے ساتھ جو جنگ کرے گا سب مل کر اس کے خلاف جنگ کریں گے۔

۳۔ معاہدہ میں شامل فریقین کے باہمی تعلقات خیرخواہی۔ خیراندیشی اور فائدہ رسانی کے ہونگے۔ ضرر اور گناہ کے نہ ہونگے۔

۴۔ مسلمانوں پر حملہ کی صورت میں یہودی بھی مصارف جنگ برداشت کریں گے۔

۵۔ یہودیوں کے حلیف قبائل کے حقوق بھی یہودیوں کے برابر ہوں گے۔

۶۔ مظلوم کی مدد و نصرت کی جائیگی۔

۷۔ مدینہ کے اندر کشت و خون حرام ہو گا۔

۸۔ اگر فریقین میں جھگڑے کی صورت پیدا ہو تو فیصلہ خدا (کے قانون کے مطابق) اور محمدؐ رسول اللہ کریں گے۔

اس معاہدہ سے مسلمانوں کو یہود کی طرف سے اطمینان حاصل ہوا۔ اور بیرونی حملہ کی صورت میں ان کو ایک حلیف میسر آگیا۔ اور مصارف جنگ کی صورت میں نصف ذمہ داری یہود نے تسلیم کرلی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جھگڑے کی صورت میں حضورؐ فیصل تسلیم کر لئے گئے اور یوں بالادستی مسلمانوں کو حاصل رہی۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگرچہ یہود نے آپؐ کو اپنا دینی اور مذہبی راہنما و ہادی تسلیم نہ کیا تھا لیکن انہوں نے دنیوی معاملات میں آپ کی بالادستی اور عظمت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور یہ سب کچھ آپ کے اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ کی بناء پر تھا۔

مواخات مدینہ

مدینہ میں بسنے والے انصار اور مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے مسلمان مہاجرین کو ایک نئے معاشرے میں ایک قوم کی حیثیت سے مدغم کرنا تھا۔ اور یہ کام عرب کی قبائلی زندگی کے پیش نظر بظاہر بہت مشکل تھا۔ خاص طور پر جبکہ مدینہ میں اوس اور خزرج دو قبائل پہلے ہی باہمی کشمکش کا شکار تھے۔ آپؐ نے امت مسلمہ کا ایک تصور پیش کیا اور اسے عملی طور پر نافذ کرنے کے لئے ایک انصاری اور ایک مہاجر کو رشتہ اخوت میں منسلک کر دیا۔ آپؐ جملہ مہاجرین اور انصار کو یہ تلقین کر سکتے تھے کہ آپ آپس میں بھائیوں کی طرح رہیں مگر آپؐ نے ایک ایک کو اس رشتہ میں منسلک کر کے ایک نہایت ہی قابل عمل فارمولا دیا۔ جو قومی معاملات میں آپؐ کی باریک بینی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپؐ نے اپنے آپؐ کو اور اپنے اہل خاندان کو اس رشتہ سے الگ رکھا تاکہ آپؐ کی اور آپؐ کے قریبی عزیزوں کی مشترکہ حیثیت برقرار رہے اور آپؐ کو کسی ایک فرد کے ساتھ منسوب کر کے آپؐ کی اور آپؐ کے خاندان کی غیر جانبدار قائدانہ حیثیت متاثر نہ ہو۔

اوس اور خزرج میں بداعتمادی کی کوشش

ایک یہودی نے اوس اور خزرج میں پھوٹ ڈالنے کے لئے ان کے ایک اجتماع میں پرانی شاعری جس میں اوس اور خزرج کے درمیان لڑی جانے والی لڑائیوں میں طرفین کے بہادروں کی جرات اور بے مثال بہادری کے قصے تھے پڑھنا شروع کر دیئے۔ اوس اور خزرج کے شاعروں نے اپنے اپنے قبیلہ کی برتری کی جو داستانیں بیان کی تھیں جب وہ پڑھی گئیں تو دونوں قبیلوں کے لوگوں نے اپنے اپنے قصے دہرانے شروع کر دیئے اور اختلافات اتنے بڑھے کہ فریقین نے ایک دفعہ پھر ہتھیار اٹھا لئے۔ یہ خبر بروقت حضورؐ تک پہنچ گئی۔ اور آپؐ مہاجرین کو ہمراہ لے کر فوری طور پر موقع پر پہنچے اور آپؐ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا۔ "اے مسلمانو۔ اللہ۔ اللہ۔ کیا تم جہالت کا عمل دہراؤ گے۔ حتیٰ کہ میں تم میں موجود ہوں اور خدا نے اسلام کی طرف

تمہاری راہنمائی کی ہے۔ اور تمہیں اس سے عزت بخشی ہے۔ اور تمہیں اس قابل بنایا کہ تم دور جہالت کے طرز زندگی کو خیرباد کہہ سکو۔ اور اس طرح اس نے تمہیں بے یقینی سے نکال کر تمہارے دلوں کو جوڑ دیا ہے" آپؐ کے بروقت اقدام اور وہاں موثر خطاب سے لڑائی کا خطرہ ٹل گیا اور انصار اپنے کئے پر پشیمان ہوئے اور ملت اسلامیہ ابتدائی مرحلہ پر ہی ایک سنگین صورتحال سے بچ گئی۔

ابو عامر کے ساتھ آپ کا مکالمہ

ابو عامر قبیلہ اوس کا معزز اور بااثر فرد تھا اور اپنے آپ کو دین ابراہیمی کا پیرو کہتا تھا۔ وہ حضورؐ کے پاس آیا اور دین اسلام کے بارے میں استفسار کرنے لگا۔ آپؐ نے قرآن حکیم کی وہ آیات تلاوت کیں جن میں دین اسلام کو دین ابراہیم کہا گیا ہے۔ اس پر ابوعامر نے کہا کہ وہ دین ابراہیم پر ہے اور نعوذ باللہ حضورؐ نے دین ابراہیمی کو جھٹلایا ہے۔ آپؐ نے اطمینان و سکون سے فرمایا "میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں نے اسے خالص اور بے داغ کیا ہے"۔ "خدا جھوٹے کو تنہائی اور مسافرت کی موت دے" ابو عامر نے کہا۔ حضورؐ نے فرمایا "اللہ ایسا کرے" اس شخص کے ساتھ جو جھوٹ بول رہا ہے" آپ نے ابو عامر کے الزام کو نہایت سکون کے ساتھ سنا۔ اور اسے معقول جواب دیا۔ اور اس کی طرف سے جو بددعا کی گئی اس کی تائید کر دی۔ مگر الزام کے بدلے میں کسی قسم کا الزام عاید نہ کیا اور آپ کا یہی حسن سلوک آج بھی ان مسلمانوں کے لئے مشعل راہ ہے جو اپنے ہی بھائیوں کے سینے الزامات اور جوابی الزامات لگا لگا کر چھلنی کر رہے ہیں۔

عبداللہ بن ابی سے رابطہ

حضورؐ سعد بن عبادہؓ کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں عبداللہ بن ابی اپنی حویلی کے باہر اپنے قبیلہ کے معززین کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ حضورؐ سواری سے اتر پڑے اور چند ثانیئے اس کی محفل میں شریک ہوئے اور عبداللہ بن ابی کے سامنے قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے آپ نے دین اسلام کی دعوت دی۔

اس پر عبداللہ بن ابی نے کہا "جو آپ نے بیان کیا ہے اگر یہ سچ ہے تو اس سے بہتر کوئی کلام نہیں ہے۔ اپنے گھر بیٹھو اور جو وہاں آئے اسے تبلیغ کرو اور جو نہ آئے اسے اپنی گفتگو سے بوجھل نہ کرو۔ اور نہ ہی اس کی محفل میں وہ شے لے کر آؤ جسے وہ پسند نہ کرتا ہو" اس مرحلہ پر۔ عبداللہ ابن رواہ (خدا اس پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ جس نے میرے آقا کی ڈھارس بندھائی) نے کہا "نہیں۔ یہ پیغام (شے) لے کر ہمارے پاس آئیں اور ہمارے گھروں میں اور ہماری محفلوں میں تشریف لائیں۔ کیونکہ ہم اس سے محبت رکھتے ہیں۔ اور ہم پر اللہ کا یہ انعام ہے اور اس نے ہماری راہنمائی کی ہے۔"

آپؐ نے اگرچہ عبداللہ بن ابی کے اس رویہ کو محسوس کیا۔ مگر آپ نے عبداللہ بن ابی سے ہمیشہ اس کے سماجی مقام کے مطابق سلوک روا رکھا اور اس کا پس منظر یہ بھی ہے کہ جب آپؐ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اوس اور خزرج مشترکہ طور پر عبداللہ بن ابی کو اپنا حاکم بنانے پر سنجیدگی سے غور کر رہے تھے کہ آپؐ کی آمد سے عبداللہ بن ابی کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔ اس کے علاوہ آپؐ نے عبداللہ بن ابی کی محفل میں سواری سے اتر کر اس کی طرف متوجہ ہونے سے یہ درس دیا کہ دنیوی لحاظ سے بااثر اور صاحب اقتدار کو Ignore نہ کرنا چاہیے۔

× اذان کی ابتداء

آپؐ نے مسلمانوں کو نماز کے بلانے کے بارے میں بگل یا ناقوس بجانے کے طریقہ کے بارے میں غور کیا۔ ابھی اس بارے میں حتمی فیصلہ نہ ہوا تھا۔ کہ عبداللہ ابن زید جنہوں نے عقبہ ثانیہ کے موقع پر بیعت کی تھی نے ایک خواب دیکھا۔ جس میں اذان کے کلمات سکھائے گئے۔ اور آنحضورؐ نے اذان کا یہ طریقہ Approve کیا اور عبداللہ بن زید کو حضرت بلالؓ کو وہ الفاظ سکھانے کا حکم فرمایا جو اس نے خواب میں کسی شخص کو کہتے ہوئے سنے تھے۔ آپؐ نے دینی معاملات میں راہنمائی کے مسئلے پر بھی اپنے ساتھیوں کی آراء کی حوصلہ افزائی کی۔

اذن جنگ

مدینہ پہنچنے کے کچھ عرصہ بعد وحیٔ نازل ہوئی جس کے ذریعہ مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی۔ اس وحی کے الفاظ یہ تھے۔

"جنگ کی ان لوگوں کو اجازت دی جاتی ہے۔ جن پر ظلم ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو فتح عطا کرنے کے اہل ہیں۔ وہ جن کو ان کے گھروں سے بلاجواز نکالا گیا ہے۔ ان کا قصور سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ وہ کہتے تھے۔ ہمارا مالک اللہ ہے۔"

اس حکم کے آنے کے بعد آنحضورؐ نے قریش (مہاجرین) پر مشتمل سرایا روانہ کرنے شروع کیے۔ جو اہل مکہ کے تجارتی قافلوں کے لئے پریشانی کا باعث بنتے تھے۔ ابتداء میں ان سرایا میں صرف مہاجرین کو بھیجنے کے چند مقاصد تھے۔

۱۔ وحی الہیہ میں مہاجرین کے مکہ سے اخراج کو وجہ جنگ بتایا گیا تھا۔ لہٰذا ان کو ارسال کرنا ہی بہتر تھا۔

۲۔ مہاجرین کے حوصلے بلند کرنا مقصود تھے۔

۳۔ انصار کی معاشرتی زندگی میں ابھی جنگ کو داخل کرنا مقصود نہ تھا۔ مہاجرین جو جنگ اور ہجرت کی سختیاں برداشت کر چکے تھے انہی کو جنگ میں ملوث کرنا مناسب

خیال کیا گیا۔

۴۔ جنگ سے مال غنیمت کی صورت میں جو مالی مفادات حاصل ہونے تھے وہ مہاجرین کے لئے مخصوص کرنا بھی مقصود ہو سکتا ہے کیونکہ اس وقت تک ان کے مالی وسائل مستحکم نہ تھے اور اس کے ساتھ ہی انصار کو اپنے پیشہ ورانہ مشاغل کے لئے فارغ رہنے دیا گیا۔ تاکہ معیشت مجروح نہ ہو۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک سریہ کی قیادت کرنا

اب تک آپ نے خود کسی سریہ کی قیادت نہ کی تھی۔ اب ایک کاروان کی اطلاع ملی کہ وہ شمال سے ۲۵۰۰ اونٹ مال و سامان سے لدے ہوئے امیہ کی قیادت میں مکہ جا رہے ہیں۔ تو آپ نے خود قیادت کی اور اس بار انصار کو بھی ہمراہ لیا کیونکہ اطلاع یہ تھی کہ اس کارواں کی حفاظت پر ایک صد قریش مامور ہیں۔ لہٰذا آپ دو صد سپاہ لے کر اس قافلہ پر حملہ کی غرض سے نکلے۔ مگر یہ قافلہ نکل گیا اور مسلمانوں سے اس کی مڈبھیڑ نہ ہوئی۔

اس سریہ کی قیادت سے آپ نے اپنی صفوں میں اعتماد کی فضا قائم کی اور کفار مکہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ مدینہ کی طرف سے اپنے آپ کو غیر محفوظ پانے لگے۔ اور اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کا باہر نکل کر کفار کے تجارتی کاروانوں پر حملہ کرنا ان کے حوصلے بڑھانے میں ممد ثابت ہوا۔ اس کاروان کے بارے میں معلومات بروقت نہ پہنچنے کی بناء پر یہ کارواں مسلمانوں کی رسائی سے باہر نکل گیا اور اسی طرح چند ماہ بعد ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے شام جانے والا کارواں بھی بروقت اطلاع نہ ملنے کی وجہ سے نکل گیا۔

عبداللہ ابن جیش رضی اللہ عنہ کا مشن

آنحضورؐ کو اطلاع ملی کہ ایک کاروان قریش یمن سے واپس آ رہا ہے۔ آپ نے

عبداللہ ابن جیشؓ کو آٹھ مہاجرین کے ساتھ نخلہ کے مقام پر اس کاروان پر نگاہ رکھنے کے لئے روانہ کر دیا۔ یہ مقام طائف اور مکہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ رجب کا مہینہ تھا۔ جو چار متبرک مہینوں میں سے ایک ہے۔ آنحضورؐ نے عبداللہ ابن جیشؓ کو کارواں پر حملہ کرنے کی ہدایات نہ دی تھیں۔ آپ دراصل جنوبی راستے پر قریش کے تجارتی کاروان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر عبداللہ ابن جیشؓ نے رجب کے آخری روز قریش کے کاروان پر حملہ کر دیا۔ جب وہ مال غنیمت اور قیدیوں کو لے کر آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے مقدس مہینوں میں لڑائی کرنے پر ان کو سرزنش کی۔ بعد ازاں عبداللہ ابن جیشؓ اور ان کے ساتھیوں کی بریت کیلئے آیات قرآنی نازل ہوئیں۔

اس مشن میں آنحضور نے قبل از اسلام کے مقدس مہینوں کی حرمت کو بحال رکھا۔ اور اس بارے میں اپنے ساتھیوں سے بازپرس کی۔ جو آیات قرآنی نازل ہوئیں۔ ان میں بھی ان مہینوں کی حرمت کو برقرار رکھا گیا۔ مگر اس خاص واقعہ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "وہ آپ سے مقدس مہینوں اور ان کے اندر جنگ کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے۔ کہ ان مہینوں میں لڑائی کرنا گناہ ہے مگر لوگوں کو خدا کے راستہ سے روکنا۔ خدا اور خانہ خدا کی بے حرمتی کرنا۔ اور اس کے بندوں کو خانہ خدا سے نکالنا خدا کے ہاں اس گناہ سے کہیں زیادہ سنگین گناہ ہیں۔ اور لوگوں کو ایذا پہنچانا قتل سے بھی زیادہ سنگین ہے۔"

معرکہ بدر

ابو سفیان کا تجارتی قافلہ شام سے واپس روانہ ہو چکا تھا۔ آنحضورؐ نے طلحہؓ اور سعد بن زیدؓ کو ہورا کی طرف روانہ کیا کہ وہ کاروان کی خبر لائیں۔ آپ نے ان کی واپسی کا انتظار بھی نہ کیا۔ اور ان کے واپس آنے سے قبل ہی ۳۰۵ مہاجرین و انصار کی فوج لے کر بدر کی طرف نکل پڑے۔

ادھر ابوسفیان کو منافقین مدینہ اور یہود مدینہ کی طرف سے مسلمانوں کے لشکر کی

روانگی کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے غفاری قبیلہ کے ایک فرد "ڈم ڈم" کو قریش مکہ کو خطرے کی اطلاع دینے اور کاروان کی حفاظت کیلئے قریش کو لشکر لے کر نکلنے کی دعوت دینے پر روانہ کر دیا۔

آنحضورؐ بھی مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ بدر کی طرف روانہ تھے کہ آپ نے دو اسکاوٹ جو اس علاقے سے واقف تھے آگے روانہ کر دیئے۔ انہوں نے بدر کے کنوئیں پر دو لڑکیوں کو گفتگو کرتے ہوئے سنا جو کاروان کے کل بدر کے مقام پر پہنچنے اور پڑاؤ کرنے کی بات کر رہی تھیں۔ وہ دونوں یہ خبر پا کر واپس ہو گئے۔ اور آنحضورؐ کو اطلاع دی کہ کارواں کل بدر کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ کرے گا۔

ابوسفیان کو بدر کے گردونواح میں مسلمانوں کی موجودگی کی بھنک پڑ گئی اور وہ کارواں کو بدر کے مقام پر ٹھہرانے کی بجائے سمندر کے ساحلی راستے سے تیزی سے گزار کر لے گیا۔

ادھر آنحضورؐ کو اطلاع ملی کہ قریش کی فوج مکہ سے روانہ ہو چکی ہے۔ لہٰذا آپؐ نے ان نئے حالات میں مسلمانوں سے مشورہ ضروری سمجھا۔ کہ کیا ان بدلتے ہوئے حالات میں مسلمانوں کو آگے بڑھنا چاہیئے یا واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ اس مشاورت میں آپؐ نے مسلم مہاجرین کا موقف سننے کے بعد اشارتاً انصار مدینہ کا موقف جاننے پر اصرار کیا۔ تو سعد بن معاذؓ نے آپؐ کا اشارہ بھانپ کر عرض کی۔ "یارسول اللہؐ شاید آپؐ انصار مدینہ کا مشورہ طلب فرما رہے ہیں۔" اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ اس پر حضرت سعد بن معاذؓ نے انصار مدینہ کی نمائندگی کرتے ہوئے بڑی ولولہ انگیز تقریر کی۔ اور حضورؐ کو ہر حالت میں انصار مدینہ کی غیرمشروط فرمان برداری کا یقین دلایا۔

عرب کے ایک شیخ سے دلچسپ مکالمہ

بدر کے مقام پر اترنے اور پڑاؤ کرنے کے بعد آپؐ ایک صحابیؓ کے ساتھ علاقہ کے جائزے کے لئے نکل پڑے۔ ایک عرب شیخ سے ملاقات ہوئی۔ اس سے آپ نے

قریش کے بارے میں اور مسلمانوں کے بارے میں دریافت کیا۔ اس شیخ نے جواب دیا کہ وہ اس وقت تک کچھ نہ بتائے گا جب تک دریافت کرنے والے اپنے بارے میں اسے نہ بتا دیں۔ آپؐ نے فرمایا جب تم ہمیں بتاؤ گے تو ہم بھی تمہیں بتائیں گے۔ اس پر اس شیخ نے کہا کہ اسے خبر ملی ہے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھی فلاں روز مدینہ سے روانہ ہوئے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو آج انہیں بدر کے مقام پر ہونا چاہئے۔ اس نے مزید کہا کہ اسے خبر ملی ہے کہ قریش مکہ سے فلاں روز روانہ ہوئے ہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو آج وہ لوگ فلاں مقام پر ہوں گے (اور وہی مقام بتایا جہاں اس روز قریش اترے ہوئے تھے) جب اس نے یہ اطلاع فراہم کر دی تو اس نے دریافت کیا کہ تم دونوں کن لوگوں میں سے ہو۔ آپؐ نے فرمایا "نحن من الماء" (ہم پانی سے ہیں) اور اس شیخ سے پلٹ آئے۔

قریش کے بارے میں معلومات

آپ نے واپس آ کر چند صحابہؓ کو چشمے کی جانب معلومات کے حصول کے لئے روانہ کیا۔ وہاں سے یہ جماعت قریش کے دو غلام پکڑ لائی۔ آپؐ نے ان سے قریش کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے بتلایا کہ قریش ٹیلے کے نیچے ہیں اور وہ ان کے لئے پانی لینے آئے ہیں۔ آپؐ کی دریافت پر جب وہ صحیح تعداد نہ بتا سکے تو آپؐ نے فرمایا۔ بتاؤ روزانہ کتنے اونٹ ذبح ہوتے ہیں۔ انہوں نے بتلایا کہ ۹ یا ۱۰۔ اس پر آپؐ نے فرمایا ان کی تعداد ۹ سو یا ایک ہزار کے درمیان ہے۔ پھر آپؐ نے لشکر قریش میں شامل سربرآوردہ لوگوں کے نام دریافت کئے۔

میدان بدر میں مقام کا تعین

آپؐ نے میدان بدر کے قریب ایک چشمے پر پڑاؤ کیا۔ وہاں ایک صحابی نے عرض کی یارسول اللہؐ یہ مقام اللہ کی طرف سے متعین ہے یا یہ جنگی تدبیروں میں سے ایک

تدبیر ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ ایک جنگی تدبیر ہے۔ اس صحابی نے فرمایا پھر جنگی لحاظ سے اس سے بہتر مقام آگے۔ آپؐ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اور اسی صحابی کے مشورے پر عمل ہوا۔

صفوں کی درستی

آپؐ میدان جنگ میں اور نماز کے وقت صفوں کی درستی پر خصوصی توجہ دیا کرتے تھے۔ میدان بدر میں آپؐ کے دست مبارک میں ایک تیر تھا۔ آپ نے اصحاب کی صفوں کو درست کیا اور جو شخص صف سے آگے بڑھا ہوتا تھا اسے تیر سے پیچھے کر دیتے اور یوں صف کی درستی کا اہتمام فرماتے۔



دعائیں

آپؐ نے بڑے رقت انگیز لہجے میں دعائیں کیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی۔ "یااللہ اگر تو نے آج اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر تیری پرستش نہ کی جائے گی" اور اس کے بعد اہل حق کو بشارت فتح دی۔ اور اہل حق کو ترغیب دیتے ہوئے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے آج جو شخص بھی ان لوگوں سے جنگ کرے گا۔ اور صبر سے ثواب سمجھ کر قتل ہو جائے گا۔ پیش قدمی کرے گا اور میدان جنگ سے پیٹھ نہ پھیرے گا اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔"

جنگ کے بارے میں خصوصی ہدایات

آپ نے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ بنی ہاشم کو زبردستی جنگ میں جھونکا گیا ہے۔ لہٰذا اگر تمہارا سامنا بنی ہاشم سے ہو تو انہیں قتل نہ کرو۔ اور ابوالبختری بن ہشام کو قتل نہ کرنا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب کو قتل نہ کرنا کہ ان سب کو زبردستی ان کی

مرضی کے خلاف جنگ میں جھونکا گیا ہے۔ آپ کے اس فرمان کے بعد ابو حذیفہؓ بن عتبہ بن ربیع... نے حضرت عباسؓ کے بارے میں اس حکم کو ماننے سے انکار کیا اور ابوالبختری کو بھی قتل کر دیا گیا۔ مگر آپؐ نے ایسا کرنے والوں سے ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا۔

مال غنیمت

مال غنیمت جمع کرنے پر مسلمانوں کے تین گروہوں میں کشیدگی پیدا ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کے بارے میں احکام نازل فرمائے کہ "وہ تم سے مال غنیمت کے بارے میں دریافت کریں گے۔ کہہ دے کہ مال غنیمت خدا اور اس کے رسول کے واسطے ہے" یعنی بجائے اس کے کہ ہر کوئی مال غنیمت کے جمع کرنے پر لگا رہے اور جو میدان جنگ سے باہر عسکری ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں وہ کڑھتے رہیں کہ ہم مال غنیمت حاصل نہ کر سکیں گے۔ آپؐ نے خدائی حکم کے ذریعہ ایک منصفانہ فارمولا دے دیا۔ کہ مال غنیمت پر حق صرف خدا اور اس کے رسول کا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ مال غنیمت تمام مسلمانوں کا مشترکہ اثاثہ ہے۔ اور اسے خدا کا رسول مسلمانوں میں جس طرح مناسب سمجھے تقسیم کر دے۔ یعنی اجتماعی اثاثہ قرار دینے سے انفرادی طمع' نفسانی اور مسلمانوں کے مابین جنم لینے والے جذبہ رقابت کو ختم کر دیا گیا۔

ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا کے ردعمل پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان

ابو یزید سہیل بن عمرو جو حضرت سودہ کے چچازاد بھائی تھے۔ اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ ان کے ہاتھ رسی سے گردن میں بندھے ہوئے تھے۔ جب حضرت سودہؓ نے ان کو اس حال میں دیکھا تو بے ساختہ کہا "تم نے اس طرح قیدی بننا کیوں قبول کیا۔ اور غیرت کی موت کیوں نہ مر گئے" اس پر آنحضورؐ نے فرمایا۔ "کیا تم عزو جلال

والے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت پر ابھار رہی ہو" اس پر حضرت سودہؓ نے معذرت کی۔

ابو العاص بن الربیع کا واقعہ

ابوالعاص حضرت خدیجہؓ کے بھانجے تھے۔ اور ان کے ساتھ حضورؐ کی دختر نیک اختر حضرت زینبؓ کا نکاح نزول وحی سے قبل طے پا چکا تھا۔ یہ بھی کفار کے لشکر میں قید ہوئے۔ حضرت زینبؓ اس وقت تک مکہ میں مقیم تھیں۔ اور انہوں نے ابوالعاص کی رہائی کے لئے جو رقم بھیجی اس میں ایک ہار بھی تھا۔ یہ ہار حضرت خدیجہؓ کا تھا۔ جو انہوں نے نکاح کے وقت حضرت زینبؓ کو دیا تھا۔ جب آنحضرتؐ نے یہ ہار دیکھا تو آپ کا دل بھر آیا۔ اور آپ نے ان صحابہ کرامؓ کو جن کی تحویل میں ابوالعاص تھے اور جو ان کا فدیہ وصول کرنے کا اختیار رکھتے تھے سے کہا "اگر تم مناسب سمجھو تو اس قیدی کو چھوڑ دو اور اس کا مال اسے لوٹا دو" ایسا ہی ہوا۔ آپؐ نے ابوالعاص سے وعدہ لیا کہ حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دے۔

ابو العاص کا دوسرا واقعہ

ابوالعاص نے حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دیا مگر خود مکہ میں ہی قیام پذیر رہے۔ آپ ایک تجارتی قافلہ لے کر شام کو گئے ہوئے تھے۔ واپسی ہوئی تو آپ کا قافلہ مسلمانوں کے ہاتھ لگ گیا۔ قافلے کا ساز و سامان مسلمانوں نے مال غنیمت بنا لیا۔ مگر آپ خود بچ گئے۔ اور رات کی تاریکی میں حضرت زینبؓ کے حجرے میں پہنچ گئے۔ اور ان سے پناہ طلب کی۔ آپؓ نے پناہ دے دی۔ حضور جب فجر کی نماز شروع کر چکے اور دیگر مسلمان ان کے پیچھے نماز کی نیت کر چکے تو حضرت زینبؓ نے باآواز بلند اعلان کیا کہ لوگو میں نے ابو العاص کو پناہ دے دی ہے۔ جب آنحضورؐ نے نماز سے سلام پھیرا تو آپؐ نے فرمایا۔ لوگو کیا تم نے بھی سنا ہے جو میں نے سنا ہے۔

انہوں نے کہا جی ہاں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "سن لو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ مجھے کسی بات کا علم نہ تھا۔ یہاں تک کہ میں نے آواز سنی جو تم نے بھی سنی۔ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک ادنیٰ شخص بھی پناہ دینے کا حق رکھتا ہے۔"

آپؐ نے مسلمانوں کی اس جماعت کو جس نے ابوالعاص کا مال چھینا تھا کہلا بھیجا۔ "یہ شخص ہم سے جو تعلق رکھتا ہے اس کا تو تمہیں علم ہے ہی۔ اب تم نے اس کا مال لے لیا ہے۔ اگر تم اس سے نیک سلوک کرو اور اس کا مال لوٹا دو تو ہمیں یہ بات پسند ہے۔ اگر تم ایسا کرنے سے انکار کرو تو تمہیں اس کا زیادہ حق ہے۔ کیونکہ وہ مال اللہ کی راہ میں آیا ہے جس نے وہ تمہیں غنیمت میں عنایت فرمایا ہے" ان کا تمام سامان واپس کر دیا گیا۔ جسے لے کر وہ مکے چلے گئے۔ وہاں اہل مکہ کا مال واپس کرنے کے بعد مجمع عام میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کیا۔ اور واپس مدینہ تشریف لے آئے۔

حضرت عباس سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دلچسپ مکالمہ

حضرت عباس کو جن انصار صحابہؓ کے حوالے کیا گیا تھا۔ وہ ان کو حضورؐ کی خدمت میں لائے۔ اور عرض کی کہ ان کو (حضرت عباس کو) بغیر فدیہ لئے ہوئے چھوڑنے کی اجازت دیں۔ آپؐ نے ان کو منع فرمایا۔ عباس اپنا اور اپنے دو بھتیجوں عاقل اور نوفل کا فدیہ ادا کرو اور عتبہ کا فدیہ ادا کرو کہ تم ایک امیر آدمی ہو۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ وہ تو پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے مگر قریش انہیں مجبور کر کے اپنے لشکر کے ساتھ لے آئے۔ اس پر آنحضرت نے فرمایا۔ جہاں تک آپ کے اسلام کا تعلق ہے خدا بہتر جانتا ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو وہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ مگر بظاہر آپ ہمارے مخالف تھے لہذا آپ کو فدیہ ادا کرنا ہو گا۔

حضرت عباس نے کہا "میرے پاس رقم نہ ہے۔"

آنحضورؐ نے فرمایا :۔ وہ مال کہاں ہے جو تم ام الفضل کے پاس چھوڑ کر آئے

ہو۔ تم دونوں کے علاوہ کوئی نہ تھا جب تم نے اس سے کہا تھا۔ کہ اگر میں مارا جاؤں تو فضل۔ عبداللہ۔ قثم۔ عبیداللہ کا اس میں سے اتنا اتنا حصہ ہے۔

اس پر حضرت عباس نے کہا کہ اس راز کو میرے اور ام الفضل کے علاوہ کوئی نہ جانتا تھا۔ پھر آپ ایمان لائے اور انہوں نے اپنا اپنے بھتیجوں کا اور عتبہ کا فدیہ دینے کی ہامی بھر لی۔

فدیہ کے مسئلے پر ابی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ

ابی کا بھائی امیہ اور یار غار عتبہ جنگ بدر میں قتل ہو گئے تھے۔ اور ابی اپنے بیٹے کا فدیہ ادا کر کے چھڑا کر جانے لگا تو اس نے آنحضرتؐ کو مخاطب کیا اور کہا "اے محمدؐ۔ میرا عود نامی ایک گھوڑا ہے جسے میں روزانہ مختلف قسم کی خوراک پر پرورش کرتا ہوں۔ میں اس پر سوار ہو کر تمہیں (نعوذ باللہ) قتل کروں گا۔"

آپؐ نے یہ سن کر فرمایا۔ "نہیں اگر میرے اللہ نے چاہا تو میں تمہیں قتل کروں گا"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمیر سے مکالمہ

عمیر کو صفوان نے آنحضورؐ کے قتل کا منصوبہ بنا کر مدینہ روانہ کیا۔ صفوان نے اس کے بدلے میں عمیر کے تمام قرضے ادا کرنے اور اس کے خاندان کی کفالت کا ذمہ لیا۔ عمیر اپنے بیٹے کو جو مدینہ میں قید تھا رہا کرانے کے بہانے مدینہ آیا۔ آنحضورؐ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے۔ عمیر تلوار سے مسلح تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس حالت میں اسے مسجد میں داخل ہونے سے روک دیا۔ اس پر آنحضورؐ نے فرمایا کہ اسے آنے دو۔ عمیر نے حاضر ہو کر عہد جاہلیت کے انداز میں سلام کیا۔ جس پر آپؐ نے فرمایا کہ ہمارا طریقہ "السلام علیکم" ہے جو جنت کے باسیوں کا طریقہ سلام ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اس سے آنے کا مقصد دریافت کیا۔ عمیر نے کہا کہ اپنے بیٹے کو

چھڑانے کے لئے آیا ہے۔
آنحضورؐ نے فرمایا پھر یہ تلوار کس لئے۔ اس پر عمیر نے چالاکی سے جواب دیا۔ "یہ تلواریں جنگ میں ہمارے کس کام آئی ہیں۔" آپؐ نے پھر اس کے آنے کا مقصد دریافت کیا۔ اور جب عمیر نے سابقہ جواب دہرایا تو آپ نے لفظ بہ لفظ اسے وہ گفتگو سنا دی جو اس کے اور صفوان کے مابین ہوئی تھی۔ یہ سن کر عمیرؓ اسلام لے آئے۔

بنو قینقاع کا ردعمل

جنگ بدر سے واپسی پر آنحضورؐ بنو قینقاع (قبلہ یہود) سے ملنے ان کے محلے میں گئے۔ ان کی طرف سے بدعہدی اور شرارتوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ آنحضورؐ نے ان کو منع فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کو دعوت نہ دیں۔ اور میدان بدر میں قریش کے انجام سے نصیحت پکڑیں۔ اس پر بنو قینقاع کے سرکردہ افراد آپؐ سے مخاطب ہوئے اور کہا "اے محمدؐ جنگ بدر کے نتائج سے غلط فہمی میں مبتلا نہ ہونا کہ وہ جنگ ان لوگوں کے ساتھ تھی جن کو جنگ کا کوئی علم نہ تھا۔ اگر جنگ ہمارے ساتھ ہوئی تو آپؐ کو علم ہونا چاہئے کہ ہم ایسے جنگ جو ہیں جن کے خلاف جنگ کرنے سے لوگ خوف کھاتے ہیں" یہ جواب سن کر نبی اکرمؐ واپس لوٹ آئے۔
چند یوم کے بعد اسی علاقے میں ایک مسلمان عورت کے ساتھ بنو قینقاع کے ایک لوہار نے بدتمیزی کی۔ جس پر ایک مسلمان نے احتجاج کیا۔ جھگڑا بڑھا اور وہ یہودی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ یہودیوں نے مسلمان پر حملہ کر کے اسے بھی قتل کر دیا۔ اور اس واقعہ کے بعد علاقے میں کشیدگی بڑھ گئی۔ اور بنو قینقاع نے معاملہ آنحضورؐ کے سپرد کرنے کی بجائے اپنے دو سابقہ حلیفوں عبداللہ بن ابی اور عبیدہ ابن ثامت کو مدد کے لئے پکارا اور خود اپنے قلعوں میں محصور ہو گئے۔ اور اپنے سات سو جوانوں کو حفاظت پر مامور کر دیا۔ مگر ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔ مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ اور ان سے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کو کہا

گیا۔ عبیدہ نے یہ کہہ کر یہودیوں کی مدد سے انکار کر دیا کہ میثاق مدینہ کے بعد سابقہ تمام معاہدے کالعدم ہو چکے ہیں۔ عبداللہ بن ابی ہوشیار آدمی تھا اس نے یہی بہتر جانا کہ مسلمانوں سے دشمنی مول لینا مناسب نہ ہے۔ لہٰذا یہودیوں نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے تو ابن ابی آنحضورؐ کے پاس آیا اور کہا۔

ابن ابی :۔ اے محمدؐ میرے حلیفوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

آنحضرت نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔ اس نے دوبارہ یہی الفاظ دہرائے تو آپؐ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ اس پر ابن ابی نے آنحضرتؐ کو زرہ سے پکڑ لیا۔ اس حرکت پر آپؐ کا چہرہ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا اور آپ نے ابن ابی کو جھڑکا۔ مگر ابن ابی نے اپنی گرفت نہ چھوڑی اور کہا کہ وہ آپؐ کو نہ چھوڑے گا جب تک آپؐ ان یہودیوں سے حسن سلوک کا وعدہ نہ کر دیں۔ کیونکہ ان کے سات سو افراد نے اس کی سرخ و سیاہ سے حفاظت کی ہے۔ کیا آپؐ ایک ہی ساعت میں ان کو ہلاک کرا دیں گے۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا "میں ان کی جانیں تیرے سپرد کرتا ہوں" اس کے بعد بنو قینقاع کو وہاں اپنے تمام اثاثے چھوڑ کر نکل جانے کی اجازت دی گئی۔

بنو قینقاع لوہے کا کام کرتے تھے۔ ان کے اثاثوں میں ہتھیار اور آلات حرب بڑی تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ جس سے ان کی فوجی۔ دفاعی قوت میں اضافہ ہوا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے مزار پر

جنگ بدر کے دوران آنحضرتؐ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور حضورؐ کی واپسی سے قبل ہی ان کے جسد خاکی کو دفن کر دیا گیا۔ آپؐ واپسی پر حضرت فاطمہؓ کے ہمراہ مزار پر تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ کا چہرہ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ آنحضورؐ نے اپنی چادر کے کونے سے آنسو پونچھے اور آپ کو تسلی دی۔ وہاں سے واپسی پر آپ نے اپنے ہی ایک سابقہ فرمان سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کو رفع

کرتے ہوئے حضرت عمرؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا "ان عورتوں کو اپنے عزیزوں کے غم میں رونے دو۔ جو آہ دل سے نکلے اور جو آنسو آنکھوں سے ٹپکے یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو اظہار غم ہاتھ سے یا زبان سے ہو وہ شیطان کی طرف سے ہے"

عقد فاطمہ رضی اللہ عنہا

آپؐ نے حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کا نکاح پڑھوایا۔ اور شادی کی دعوت کا اہتمام کیا۔ جب جملہ مہمان رخصت ہو چکے اور آپ واپس دلہا دلہن کے پاس تشریف لے آئے تو واپسی پر آپ نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ اور ساتھ ہی ام ایمن سے پانی منگوایا۔ پانی آنے کے بعد آپ نے اسی پیالے میں کلی کی۔ اور پھر حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ پر وہ پانی چھڑکا۔ اور انہیں اور ان کی ہونے والی اولاد کو دعا دی۔

حضرت عثمان ابن موذونؓ کی وفات

حضرت عثمان ابن موذون بہت ہی پارسا انسان تھے۔ آپ بڑے روزہ دار اور شب بیدار تھے۔ وہ خواہشات نفسانی سے اس قدر اجتناب کرتے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے آنحضرتؐ سے اجازت طلب کی کہ ■ باقی ماندہ زندگی ایک تارک الدنیا فقیر کی گذارنا چاہتے ہیں۔ اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ تمہارے لئے میرا طریق مثال ہے۔ میں شادی کرتا ہوں۔ میں گوشت کھاتا ہوں۔ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔ وہ میری امت سے نہیں ہے جو لوگوں کو یا خود کو جائز دنیوی لذات سے محروم کرے۔ ایک اور موقع پر عثمانؓ ہی سے آپ نے فرمایا۔ تم ہر روز روزہ رکھتے ہو۔ اور رات بھر عبادت کرتے ہو۔ ایسا نہ کرو۔ کہ تمہاری آنکھوں کا۔ تمہارے جسم کا اور تمہارے خاندان کا تم پر حق ہے۔ لہٰذا عبادت کرو۔ آرام کرو۔ روزہ رکھو اور روزہ افطار کرو۔

حضرت عثمانؓ کی وفات پر آپؐ نے عثمانؓ کے جبڑے کو بوسہ دیا۔ اور آپؐ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ اس وقت ایک مسلمان خاتون نے کہا "اے ابو صائب خوش ہو جاؤ کہ جنت تمہاری منتظر ہے۔" آپؐ نے اس عورت کی طرف مخاطب ہو کر کہا تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔ اس پر اس عورت نے کہا کہ "اے پیغمبر خدا یہ ابو صائب ہے" آپ نے فرمایا بے شک ہم نے نیکی کے علاوہ اس سے کچھ نہیں سنا۔ مگر تمہیں یہ کہہ دینا کافی تھا کہ "یہ (مرنے والا) اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا تھا۔"

حضرت فاطمہؓ (رضی اللہ عنہا) اور حضرت علیؓ (رضی اللہ عنہ) کا غلام کی خواہش کرنا

حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ نے جنگی قیدیوں میں سے ایک غلام کی خواہش ظاہر کی۔ جس پر آپؐ نے فرمایا کہ میں آپ کو غلام نہ دوں گا کیونکہ میں غلام کے عوض حاصل ہونے والے اثاثے سے اصحاب صفہ کی کفالت کرنا چاہتا ہوں۔ بعد ازاں رات کو خواب میں آپؐ نے ان کو وہ کلمات **(سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم)** پڑھنے کی تلقین کی۔

حضرت حارثہؓ (رضی اللہ عنہ) کا ایثار

حضرت حارثہؓ کو معلوم ہوا کہ آپؐ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کو اپنے قریب لانا چاہتے ہیں۔ تو حضرت حارثہؓ نے آ کر عرض کی "اے پیغمبر خدا میں نے سنا ہے کہ آپ حضرت فاطمہؓ کو اپنے قرب میں لانا چاہتے ہیں۔" اور میرا گھر ہی نجار کے تمام گھروں سے آپؐ کے زیادہ قریب ہے۔ یہ گھر آپؐ کا ہے۔ میں اور میرا تمام اثاثہ خدا اور اس کے رسول کی نذر ہے۔ اور میں اپنے اثاثہ میں سے اس شے کو محبوب سمجھتا ہوں جو آپؐ مجھ سے لے لیں۔ اس کی نسبت جو آپؐ میرے پاس رہنے دیں۔ آپؐ نے حضرت حارثہؓ کا تحفہ قبول کیا۔ اور اپنے پڑوس میں حضرت فاطمہؓ اور حضرت

علیؓ کو لے آئے۔

ابولبابہ سے ناگواری

ایک یتیم نے آنحضرت کے پاس دعویٰ کیا کہ ایک کھجور کا درخت اس کا ہے۔ اور اس کا سرپرست ابولبابہ اس درخت پر بھی اپنا حق ملکیت ظاہر کرتا ہے۔ آپؐ نے ابولبابہ سے دریافت کیا۔ اس نے اصرار کیا کہ یہ درخت اس کا ہے۔ آپؐ نے مقدمہ سنا اور ابولبابہ کے حق میں فیصلہ دیا۔ یہ فیصلہ سن کر یتیم بچہ غم زدہ ہو گیا۔ اس کی اس کیفیت کے پیش نظر آپ نے ابولبابہ سے کہا کہ یہ کھجور کا درخت ہمیں تحفہ میں دے دو۔ (آپؐ کا خیال تھا کہ آپؐ یہ درخت اس یتیم بچے کو دے دیں گے) ابولبابہ نے دینے سے انکار کر دیا۔ آپؐ نے فرمایا ابولبابہ یہ درخت اس یتیم کو دے دو۔ ایسا ہی درخت تمہیں جنت میں ملے گا۔ مگر ابولبابہ نے اس سے بھی انکار کیا۔ وہاں ثابتؓ کھڑے تھے۔ انہوں نے کہا اگر میں یہ درخت خرید کر اس یتیم بچے کو دے دوں تو کیا مجھے بھی جنت میں ایسا ہی درخت ملے گا۔ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ اس پر ثابتؓ نے کھجوروں کا ایک باغ ابولبابہ کو دے کر وہ درخت خرید لیا۔ اور وہ درخت اس یتیم بچے کو دے دیا۔ آپ ثابتؓ کے اس عمل سے بے حد خوش ہوئے اور ابولبابہ کے عمل سے ناخوش۔

آنحضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دفاعی معلومات کے حصول کا نظام

قریش نے اپنی تجارت کو بچانے کے لئے بنو سلیم اور بنو غطفان سے تعلقات استوار کئے۔ اور ان قبیلوں کو وقتاً فوقتاً مدینہ پر حملہ کے لئے اکساتے رہے۔ مگر حضورؐ نے ایسا نظام قائم کر رکھا تھا کہ ان قبیلوں اور قریش کے دیگر حلیف قبیلوں کے جنگی عزائم کے بارے میں آپ کو بروقت معلومات مل جاتی تھیں۔ اور آپؐ ان پر حملہ کر کے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیتے تھے۔ اس ضمن میں آپ نے ایک مکمل نظام

قائم کر رکھا تھا۔

کعب بن اشرف کا قتل

کعب بن اشرف بنو نضیر کے یہودی قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے بدر کی جنگ کے بعد اہل اسلام اور خصوصاً نبی اکرمؐ کے خلاف اپنی مساعی تیز تر کر دی تھیں۔ یہ شاعر تھا اور اپنے شعروں سے قریش کو مسلمانوں سے بدلہ لینے پر اکسایا کرتا تھا۔ اور حضورؐ کو اپنے شعروں میں تضحیک کا نشانہ بناتا تھا۔ آپؐ نے ایک روز اس کی ان حرکتوں سے تنگ آ کر مسلمانوں میں سے محمدؓ بن مسلمہ اور اس کے ہمراہ چار جانثاروں کو مامور کیا۔ مگر کعب بن اشرف اپنے قلعہ میں چھپا ہوا تھا۔ اور اسے باہر لانا ممکن نہ تھا۔ تاوقتیکہ اسے کوئی جھوٹی ترغیب نہ دی جائے۔ اسی مہم پر مامور افراد نے اپنی مشکل کا ذکر حضورؐ سے کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ جنگ کی صورت میں ترغیب و تحریص کی اجازت ہے۔ اور اس بارے میں دشمن کے خلاف جنگی چالوں کے ذریعہ اسے مات دینے کی اجازت ہے۔ چنانچہ کعب کو اپنے قلعہ سے ترغیب کے ذریعہ باہر بلایا گیا۔ اور اسے قتل کر دیا گیا۔

بنو نضیر کے یہودی حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ ان کے قبیلہ کا ایک سردار قتل کیا گیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ "اگر کعب بھی بنو نضیر کے دیگر افراد کی طرح خاموش رہتا تو اس کا یہ انجام نہ ہوتا مگر اس نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کیا اور جو بھی ایسا کرے گا اس کا انجام یہی ہو گا"

جنگ احد کے بعد بنو نضیر نے جب حضورؐ کو شہید کرنے کی سازش کی تو آپ نے محمدؓ بن مسلمہ کو بنو نضیر کے سرداروں کو پیغام دے کر روانہ کیا کہ آنحضورؐ کو شہید کرنے کی سازش کی گئی ہے۔ جو کھلم کھلا جنگ کے مترادف ہے۔ لہٰذا آپؐ نے حکم دیا کہ "بنو نضیر دس یوم کے اندر اندر مدینہ سے نکل جائیں۔ اور اس کے بعد ان کا جو شخص بھی مدینہ میں دیکھا گیا وہ قتل کر دیا جائے گا۔"

عبداللہ بن ابی نے بنو نضیر کو اپنی امداد کا یقین دلایا۔ اور اس کے علاوہ بنو

قرینہ۔ اور بنو غطفان کی طرف سے امداد کی امید پر بنو نضیر کے سردار نے اپنے گھر بار چھوڑ کر جانے سے انکار کر دیا۔ جب اس کا پیغام آنحضورؐ کو پہنچا تو آپؐ نے فوراً ہی مسلمانوں کے ہمراہ بنو نضیر کے گھروں کا محاصرہ کر لیا۔ جب ان کو کہیں سے مدد نہ پہنچی تو انہوں نے مدینہ چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر نبی صلعم نے فرمایا کہ وہ مدینہ سے نکل جائیں اور اپنے ہمراہ صرف اونٹ پر جو سامان لاد کر لے جا سکیں لے جائیں۔ مگر اس میں سامان حرب نہ ہو۔ بادل ناخواستہ بنو نضیر اس پر آمادہ ہوئے۔ بنو نضیر کا سارا مال ۔ اسباب جو انہوں نے چھوڑا مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔ جسے آپؐ نے غرباء میں خاص طور پر مہاجرین میں تقسیم کر دیا۔ اور مہاجرین کو اس مال سے اپنے پاؤں پر کھڑا کر دیا گیا۔ اور یوں انصار کو مہاجرین کی طرف سے معاشی دباؤ سے آزاد کر دیا گیا۔

صفوان کا تجارتی قافلہ

اہل مکہ نے ایک تجارتی قافلہ عراق روانہ کیا۔ اس قافلہ کا سالار صفوان تھا۔ مدینہ کے یہود کو اس قافلہ کی روانگی کا علم تھا۔ یہود کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھنے پر مامور ایک شخص نے وہاں سے اس تجارتی قافلہ کی اطلاع پا کر آنحضورؐ کو خبر کی۔ آپؐ نے حضرت زیدؓ کی سربراہی میں ایک سو سواروں کا دستہ اس قافلہ کا راستہ روکنے کو روانہ کیا۔ قاردہ کے مقام پر حضرت زیدؓ نے اس قافلہ کا سامنا کیا۔ اور تمام ساز و سامان اور اس سے لدے ہوئے اونٹ لے کر مدینہ آ گئے۔ صفوان اور اس کے ساتھی مال و اسباب چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش جو بدر کے بعد سے مسلمانوں پر بھرپور حملہ کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ نے مدینہ پر حملہ کا فیصلہ کر لیا۔ اور یوں انہیں اپنی مرضی کے مطابق حملہ کے وقت کے چناؤ سے محروم کر دیا گیا۔

مدینہ پر حملے کے بارے میں قریش کی سرگرمیوں کی

اطلاع

حضرت عباسؓ سے آنحضورؐ کو ایک خط کے ذریعہ اطلاع ملی کہ قریش مکہ تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ کے لئے روانہ ہو رہے ہیں۔ دو سو گھوڑ سوار اور سات سو لشکری سامان حرب سے مکمل طور پر لیس ہیں۔ قریش مکہ کی روانگی کی اطلاع ملنے پر مسلمانوں کو ایک ہفتہ کا وقت تیاری کے لئے مل گیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشاورت

جب قریش مکہ کے مدینہ سے قریب آنے کی اطلاع ملی تو اپ نے اسکاؤٹس روانہ کئے کہ وہ ان کی تعداد اور عزائم کا پتہ لگائیں۔ اور انہوں نے واپسی پر اطلاع دی کہ ان کی تعداد وہی ہے جس کا تذکرہ حضرت عباسؓ کے خط میں کیا گیا تھا۔ آنحضرتؐ نے مشورہ کیا۔ آپؐ کا اپنا خیال یہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر دفاع کیا جائے۔ ابن ابی نے بھی یہی مشورہ دیا۔ عمر رسیدہ۔ تجربہ کار اصحاب نے بھی اسی مشورہ کی تائید کی۔ اس پر نوجوانوں کے ایک قائد نے با آواز بلند کہا۔ "یارسول اللہؐ دشمن کے خلاف ہماری قیادت کریں۔ تاکہ وہ یہ نہ سوچیں کہ ہم ان سے خائف ہیں۔ یا ہم کمزور ہیں" چند بزرگ اصحابؓ نے بھی اس کی تائید کر دی۔ اور نوجوانوں کی طرف سے اس آواز کی ہاں میں ہاں پہلے ہی ملائی جا چکی تھی۔ چنانچہ اکثریت کے فیصلہ کے پیش نظر آنحضرتؐ نے مدینہ سے نکل کر فوج قریش کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ایک ہزار کا لشکر لے کر احد کی طرف روانہ ہوئے۔

آپ کی فوج عددی لحاظ سے کم تر تھی۔ اور اس میں گھڑ سواروں کی کمی تھی۔ لہذا آپؐ نے کوشش کی کہ میدان جنگ میں اپنی فوج کے لئے ایسا مقام منتخب کریں جس سے مسلمان فوج کی عددی کم تری کا ازالہ ممکن ہو سکے۔ اور اس مقصد کے لئے آپؐ نے اس علاقہ سے واقف ایک فرد کی خدمات حاصل کیں۔

ابن ابی کی غداری۔

راستے میں ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ اس مقام پر علیحدہ ہو گیا۔ اس نے بظاہر یہ بہانہ کیا کہ اس کی رائے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی ہے۔ اور اس کی رائے کے برخلاف جوانوں کی اور غیر اہم افراد معاشرہ کی رائے پر انحصار کیا گیا ہے۔

احد پہاڑی کا انتخاب

آپؐ نے احد کی پہاڑی پر بلندی پر پڑاؤ کیا۔ صبح کی نماز کے بعد آپ نے مسلمانوں کے لشکر سے خطاب کیا اور فرمایا۔ آج کے دن تم سب لوگ ایک بہترین مقام پر ہو۔ یہ مقام صلے اور فوائد کے لحاظ سے مالا مال ہے۔ آپ نے اپنے بہترین تیر اندازوں کا انتخاب کیا۔ اور ان میں سے پچاس کو بلندی پر ایک درہ پر مامور کر دیا۔ اور یہ ہدایات دیں کہ دشمن کے گھوڑسواروں کو اپنے تیروں کے ذریعہ ہم سے دور رکھنا۔ اور ان کو ہمارے پیچھے سے ہم پر حملہ آور نہ ہونے دینا۔ تم نے اسی مقام پر رہنا ہے خواہ ہم مال غنیمت اکٹھا کرتے ہوں۔ تم نے اس کا خیال نہیں کرنا۔ اور اگر ہم دشمن کے ہاتھوں ہزیمت اٹھا رہے ہوں تب بھی تم نے ہماری مدد کو نہیں پہنچنا۔

کون یہ تلوار اس کے حقوق کے ساتھ لینے کا خواہش مند ہے

آپ نے تلوار ہاتھ میں لے کر یہ اعلان کیا۔ حضرت عمرؓ آگے بڑھے۔ مگر آپؐ نے منہ موڑ لیا۔ اور پھر اعلان کیا۔ جس پر حضرت زبیرؓ نے تلوار لینے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے پھر منہ موڑ لیا۔ اور پھر وہی اعلان دہرایا۔ ابودجانہ نے دریافت کیا یارسول اللہ اس تلوار کے حقوق کیا ہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ اس کے حقوق یہ ہیں کہ آپ اسے اس وقت تک دشمن پر برساتے رہیں جب تک اس کا پھل مڑ نہ جائے۔

ابودجانہ نے کہا میں اس تلوار کو اس کے حقوق کے ساتھ لینے کو تیار ہوں۔ آپؐ نے تلوار انہیں دے دی۔ اور وہ اترا ترا کر چلنے لگے۔ جس پر آنحضرت نے فرمایا۔ "یہ چال اللہ کو ناپسند ہے۔ ماسوائے حالت جنگ کے۔"

آنحضورؐ کو ایک بدبخت نے تلوار سے زخمی کر دیا۔ اور آپؐ کے خود کی کڑیاں رخسار مبارک میں دھنس گئیں۔ یہ کڑیاں بعد میں ابوعبیدہ نے اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالیں تو آپ کے دو دانت زخمی ہوئے اور خون بہنے لگا۔ جو حضورؐ کے زخم سے بہنے والے خون میں شامل ہو گیا۔ آپؐ کا خون بہتا دیکھ کر خزرج کے حضرت مالکؓ نے آپؐ کا خون اپنے منہ سے چوس لیا۔ آپؐ نے فرمایا۔ جو اس شخص کو دیکھنا چاہتا ہو جس کا خون میرے خون سے مل گیا تو وہ مالکؓ بن سنان کو دیکھے۔ اور جس کا خون میرے خون سے مل جائے اس تک جہنم کی آگ نہیں پہنچ سکتی۔

آپؐ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ بلند' محفوظ مقام کی طرف مراجعت کر رہے تھے کہ کعبؓ بن مالک کی نظر پڑی اور وہ فرط مسرت سے چلا اٹھے کہ حضورؐ زندہ ہیں۔ آنحضورؐ نے انہیں اشارے سے منع فرمایا۔ مگر ان کی آواز بدبخت ابی۔ برادر امیہ کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ وہ یہ آواز سن کر متوجہ ہوا اور آنحضورؐ پر حملہ کے لئے بڑھا۔ آپؐ کے ساتھیوں نے اس کے حملے کو روکنا چاہا مگر آنحضورؐ نے منع فرمایا اور خود نیزہ لے کر آگے بڑھے اور پیشتر اس کے کہ وہ بدبخت آپؐ پر وار کرتا آپ نے نیزے سے اسے زخمی کر دیا۔ اور وہ گھوڑے سے گر کر بھاگ کھڑا ہوا۔ زخم بظاہر معمولی تھا۔ مگر اس کے لئے مہلک ثابت ہوا۔ اور وہ بعد ازاں اسی زخم سے واصل جہنم ہوا۔

آپؐ اپنے ساتھیوں سمیت بلند اور محفوظ مقام کو کوچ فرما گئے۔ قریش مکہ نے واپسی کا ارادہ کیا تو ابوسفیان اس پہاڑی کے نیچے جس پر آنحضورؐ اور ان کے جانثار موجود تھے جا کر چلایا۔ "ہم نے اپنی ہزیمت کا بدلہ لے لیا ہے۔ آج ہبل کی جیت ہوئی ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ وہ ابوسفیان کو جواب دیں کہ ہمارے شہید اور تمہارے مقتول برابر نہیں ہیں۔ ہمارے شہید جنت میں ہیں جبکہ تمہارے مقتول آگ کا ایندھن بن چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ابوسفیان کو پہاڑی کے

ایک سرے پر آ کر یہی جواب دیا۔ اس پر ابوسفیان نے حضرت عمرؓ کو پہچان کر دریافت کیا کہ کیا حضرت محمدؐ قتل ہو چکے ہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ نہیں۔ آنحضورؐ زندہ ہیں۔ اور اب بھی ہماری گفتگو سن رہے ہیں۔ پھر ابوسفیان نے کہا "آئندہ ہمارا تمہارا سامنا بدر کے میدان میں ہو گا۔ اس پر آنحضرتؐ نے اپنے ایک اور جانباز کو بھیجا کہ وہ ابوسفیان کو جواب دے کہ ہم بدر کے میدان میں تمہارا آئندہ سال سامنا کرنے کا عہد کرتے ہیں۔

آنحضرتؐ نے پھر سعدؓ کو بھیجا کہ وہ دیکھیں کہ قریش مکہ واپسی کے لئے کس سواری کا انتخاب کرتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اگر قریش واپسی کے لئے اونٹوں پر سوار ہوتے ہیں تو تمہیں ان سے تعرض نہیں کرنا ہے اور اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں تو تمہیں ان کا ہر قیمت پر مقابلہ کرنا ہے کیونکہ پہلی صورت میں ان کی منزل مکہ ہے اور دوسری صورت میں مدینہ۔ حضرت سعدؓ نے قریش کے کیمپ کا جائزہ لینے کے بعد واپس آ کر اطلاع دی۔ کہ قریش مکہ اونٹوں پر سامان لاد رہے ہیں۔ اور گھوڑے ننگی پیٹھ ساتھ کر لئے ہیں جس پر آپؐ نے اطمینان کا اظہار کیا۔

(جنگ احد کے بعد جب شہداء کی لاشوں کا ملاحظہ کیا گیا تو حضرت حمزہؓ کی لاش کو دیکھ کر آنحضورؐ کو بہت غصہ آیا۔ اور آپؐ نے فرمایا کہ "اگر آئندہ اللہ تعالیٰ نے مجھے قریش پر فتح عطا کی تو میں قریش مکہ کے تیس مقتولین کی لاشوں کو مسخ کراؤں گا" اس واقعہ کے تھوڑا عرصہ بعد ہی آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔ "اگر تم جسمانی ایذا پہنچانا چاہو تو اسی حد تک پہنچاؤ جس قدر تمہیں ایذاء پہنچائی گئی ہو۔ اگر تم اس تکلیف کو صبر کے ساتھ برداشت کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے" اس پر آپؐ نے نہ صرف لاشوں کو مسخ کرنے سے منع فرما دیا بلکہ جنگ کے دوران چہرے پر ضرب لگانے سے اجتناب کی ہدایت کی۔)

قریش مکہ کی واپسی کے بعد مدینہ منورہ سے کچھ خواتین میدان احد میں تشریف لائیں۔ جن میں سب سے پہلے حضرت صفیہؓ۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام ایمن تشریف لائیں۔ جب حضورؐ نے حضرت صفیہؓ کو آتے دیکھا تو اس خیال سے کہ وہ اپنے بھائی حضرت حمزہؓ کی مسخ شدہ لاش دیکھ کر مضطرب ہوں گی آپ نے حضرت زبیرؓ

کو بھیجا کہ وہ اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کو واپس بھجوا دیں۔ حضرت زبیرؓ نے اپنی والدہ سے درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے علم ہے کہ حضورؐ مجھے کیوں واپس کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے سن لیا ہے کہ کفار نے میرے بھائی حضرت حمزہؓ کی لاش کو مسخ کیا۔ مگر میرے بھائی کے ساتھ یہ سب کچھ خدا کی راہ میں کیا گیا ہے۔ اور مجھ میں اس کی راہ میں ہونے والے ہر ظلم کو برداشت کرنے کا حوصلہ ہے۔ اس پر آنحضورؐ نے انہیں اجازت دے دی۔ حضرت صفیہؓ نے اپنے بھائی کی نعش کو دیکھ کر انا للہ و انا الیہ راجعون کی تلاوت کی۔ حضرت صفیہؓ اور حضرت فاطمہؓ یہاں اپنے اقربا کی موت پر روئیں اور آنحضورؐ بھی ان کے ساتھ رو پڑے۔

جملہ شہداء کی لاشیں اکٹھی کی گئیں۔ آپؐ نے ہر نعش پر جنازہ پڑھایا۔ اور کل بہتر جنازے پڑھائے گئے۔ اور رشتہ داری یا دوستی کے ناطے سے مختلف شہداء کی لاشوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ اور شہداء کے لواحقین کو آپؐ نے ان شہداء کے جنت الفردوس میں ہونے کا مژدہ سنایا۔

ایک صحابی جو جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے مگر بوقت تکفین ان کے عزیزوں میں سے کوئی موجود نہ تھا۔ آپؐ ان کی لاش کے قریب گئے اور آپؐ نے فرمایا۔ "خدا تم سے اس طرح راضی ہو جیسے میں تم سے راضی ہوں۔ جب ان کی لاش کو قبر میں اتارا گیا تو آنحضورؐ نے ان کی چادر سے ان کا منہ ڈھانپ دیا۔ مگر پاؤں ننگے ہو گئے تو آپ نے پاؤں پر ایک جھاڑی کے پتے ڈالنے کا حکم دیا۔ اور یہی طریقہ آپ نے تمام شہداء کی لاشوں سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مٹی ڈالنے سے قبل لاش پوری طرح ڈھکی ہونی چاہئے۔ تمام شہداء کی تجہیز و تکفین کے بعد آپؐ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اور واپسی اختیار کی۔ اور جملہ ساتھیوں سمیت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دعا فرمائی۔

(میدان احد سے آنحضورؐ اور ان کے ساتھی مغرب کے قریب مدینہ واپس پہنچے۔ نماز مغرب ادا کرنے کے بعد آنحضورؐ نے آرام فرمایا۔ اور عشاء کی نماز دیر سے تنہا ہی ادا فرمائی۔ صبح کی نماز کے بعد آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اعلان کرنے کا حکم دیا۔ کہ دشمن کے تعاقب میں نکلنے کے لئے مسلمان جمع ہو جائیں۔ مگر تعاقب میں صرف وہی

روانہ ہوں جو جنگ احد میں شریک تھے۔ بنی سلمہ کے چالیس زخمی نکلے تو آنحضورؐ بنی سلمہ کے اخلاص۔ ہمت اور بہادری پر خوش ہوئے۔ بنی سلمہ کے جابرؓ نے عرض کی کہ وہ جنگ احد میں اس بناء پر شریک نہ ہو سکے کہ ان کے والد نے انہیں ان کی سات بہنوں کی نگرانی پر مامور کیا تھا۔ اور استدعا کی کہ ان کو اب ساتھ چلنے کی اجازت دی جائے۔ آنحضورؐ نے ان کو اجازت مرحمت فرمائی۔ [redacted] زخمی مالکؓ اور شمسؓ زخموں کی وجہ سے اس حالت میں نہ تھے کہ ساتھ چل سکتے [redacted] پیچھے [redacted] گئے۔ آنحضرتؐ نے ان کے لواحقین کو فرمایا کہ اگر یہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسیں تو ان کو میدان احد میں دفن کرنا۔ جب آنحضرتؐ واپس تشریف لائے تو یہ دونوں زخمی وفات پا چکے تھے۔ حضرت مالکؓ کو مدینہ میں ہی دفن کر دیا گیا تھا۔ جبکہ حضرت شمسؓ کی لاش میدان احد میں دفنائی گئی۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ حضرت مالکؓ کو بھی میدان احد میں دیگر شہداء کے ساتھ دفن کیا جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔

مسلمانوں نے پہلا پڑاؤ آٹھ میل کے فاصلے پر کیا۔ آنحضورؐ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جس قدر لکڑی ملے جمع کر لیں اور رات کو ہر مسلمان علیحدہ چولہا روشن کرے۔ ایسا ہی کیا گیا۔ قریب ہی کفار کا لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ جب انہوں نے پانچ سو الاؤ دیکھے تو ان پر مسلمانوں کی تعداد کی کثرت کا ایسا رعب طاری ہوا کہ ان میں سے جو واپس ہو کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے مشورے کر رہے تھے وہ اپنے ارادوں سے باز آ گئے۔

اس دوران مدینہ منورہ میں یہود اور منافقین طرح طرح کی باتیں بناتے رہے۔ واپسی پر جب حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا علم ہوا تو آپ نے آنحضرتؐ سے ایسے افراد کے قتل کی اجازت طلب کی۔ مگر آنحضرتؐ نے منع فرمایا۔ اور انہیں دین اسلام کے پھیلنے۔ کفار کے ہزیمت اٹھانے اور مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے داخلے کی وعید سنائی۔

رئیس المنافقین ابن ابی کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جمعہ کے روز مسجد میں ایک خاص مقام پر بیٹھا کرتا تھا۔ اور جب آنحضورؐ خطبہ کے لئے منبر پر تشریف لے جاتے تو ابن ابی کھڑا ہو کر یہ اعلان کیا کرتا تھا "اے لوگو یہ خدا کے پیغمبر ہیں۔ ان کے ذریعے سے خدا تم پر مہربان ہو۔ اور تمہیں قوت عطا کرے۔ تم بھی ان کی مدد کرو۔ ان کی عزت

کرو۔ ان کی باتیں سنو اور ان پر عمل کرو" ابن ابی یہ الفاظ کہہ کر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ جب آنحضورؐ قریش کے تعاقب سے لوٹے تو دوسرے دن جمعہ تھا۔ اور اس روز جب حسب معمول ابن ابی یہ اعلان کرنے مسجد میں اپنے خاص مقام پر کھڑا ہوا۔ تو انصار جو اس کے قریب بیٹھے ہوئے تھے نے اسے دونوں طرف سے پکڑ کر یہ کہتے ہوئے بٹھا دیا۔ "اے دشمن خدا بیٹھ جاؤ۔ تم نے جو کچھ کہا ہے اس کے پیش نظر تمہیں اس اعلان کا حق نہیں پہنچتا ہے" اس پر ابن ابی مسجد سے نکل گیا۔ مسجد کے دروازے پر ایک انصاری نے اسے کہا کہ لوٹ آؤ تاکہ خدا کا رسول تمہارے لئے معافی طلب کر لے۔ جس پر اس نے جواب دیا "خدا کی قسم میں نہیں چاہتا کہ (آنحضورؐ) میرے لئے معافی کے طالب ہوں۔"

بنی اسد کا قلع قمع

جنگ احد کے بعد آنحضورؐ کو اطلاع ملی کہ بنی اسد مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ یہ قبیلہ قریش کا حلیف تھا۔ اور ان سے اسی قسم کی معاندانہ سرگرمیوں کی توقع تھی۔ لہٰذا تمام عرب پر مسلمانوں کی قوت کی دھاک بٹھانے کے لئے آپؐ نے ایک سو پچاس سوار حضرت ابوسلمہؓ کی سرکردگی میں بنی اسد کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے۔ اور انہیں ہدایت کی کہ وہ دشمن پر اچانک حملہ آور ہوں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور بنی اسد اس اچانک حملہ سے بوکھلا گئے۔ اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمان اونٹوں کا ایک ریوڑ اور تین افراد کو پکڑ لائے۔ اور اس طرح یہ حملہ مسلمانوں کی قوت کی دھاک بٹھانے میں ممد ثابت ہوا۔

قبیلہ ہدے کے سردار کا قتل

اس قبیلہ کی طرف سے مدینہ پر حملے کی خبریں آ رہی تھیں۔ آنحضرتؐ کو مسلسل اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ اس قبیلہ کا سردار اسلام دشمنی میں پیش پیش ہے۔

اور وہی اپنے قبیلہ کو مسلمانوں پر حملے پر اکسا رہا ہے۔ لہٰذا آپؐ نے خون خرابہ سے بچنے کیلئے صرف اسی دشمن خدا و رسول کو جہنم واصل کرنے کا ارادہ کیا اور اس طرح عبداللہ ابن انیس کو اس کام پر مامور کیا۔ انہوں نے اس کام کو نہایت چابکدستی سے سرانجام دیا۔

واقعہ بیر معونہ

ابو براء عامر بن مالک آنحضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ اپنے نجدی قبیلہ عامر کا سردار تھا۔ اس نے استدعا کی کہ حضورؐ کچھ رفقاء کو اہل نجد کے پاس اسلام کی تبلیغ کے لئے روانہ کریں۔ آنحضورؐ نے جواب دیا کہ مجھے اہل نجد سے اپنے آدمیوں کے بارے میں خوف آتا ہے۔ ابوبراء نے کہا آپؐ ان کو روانہ کریں میں ان کو تحفظ فراہم کروں گا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے چالیس آدمیوں پر مشتمل ایک جماعت روانہ کر دی۔ اسی جماعت کو بعد میں بیرؔ معونہ کے مقام پر تہ تیغ کر کے شہید کر دیا گیا۔ عمرو بن امیہ جو شہید ہونے سے بچ گئے تھے نے واپسی پر قبیلہ عامر کے دو افراد کو بدلے میں قتل کر دیا۔ جب آنحضورؐ کو عمرو بن امیہ کے ہاتھوں دو عامریوں کے قتل کی اطلاع ملی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ان کا خون بہا دینا ہو گا کیونکہ ان کے ساتھ ہمارا امن کا معاہدہ تھا۔

یہودی قبیلہ بنو نضیر کی جلاوطنی

آنحضورؐ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر اور چند دیگر صحابہ کے ساتھ بنو نضیر کے ہاں گئے۔ اور بنو عامر کے دو افراد کے عمرو بن امیہ کے ہاتھوں قتل پر بنو نضیر سے دیت کے معاملہ میں تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی کیونکہ بنو نضیر اور بنو عامر کے درمیان دوستانہ۔ قریبی تعلقات تھے۔ بنو نضیر کے اکابرین نے حضورؐ سے اس معاملہ میں ہر قسم کی مدد کا وعدہ کیا۔ اور آنحضورؐ اور ان کے ساتھیوں کو کھانے کی دعوت دی۔ مگر اس

دوران بنو نضیر کے اکابرین نے مشاورت کی کہ آنحضورؐ اس وقت غیر محفوظ ہیں۔ اور ان پر حملہ کر کے ان کو نعوذ باللہ شہید کیا جا سکتا ہے۔ ابھی وہ اس بارے میں تدبیر کر رہے تھے کہ آنحضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ان عزائم سے آگاہ فرما دیا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ وہ فوراً مدینہ روانہ ہو جائیں۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے اپنے ساتھیوں سے کوئی بات نہ کی۔ اور اٹھ کر چل دیئے۔ ساتھیوں نے سمجھا کہ آپؐ واپس تشریف لائیں گے۔ مگر کچھ انتظار کے بعد جب آپؐ واپس نہ آئے تو صحابہ کرام بھی وہاں سے یہود سے اجازت لے کر واپس آ گئے۔ مدینہ منورہ میں آنحضورؐ نے یہود کی سازش اور اللہ کی طرف سے وحی کے ذریعہ تمام واقعہ کی اطلاع ملنے کی خبر صحابہ کرام کو دی۔ آنحضورؐ نے صحابہ کرام کو یہود بنو نضیر کے خلاف جنگ کے لئے تیاری کا حکم دیا۔ اور محمدؐ بن مسلمہ کو بنو نضیر کی طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ بنو نضیر نے اس طرح حضورؐ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اور اس منصوبہ سے انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ لہٰذا وہ دس یوم کے اندر اندر مدینہ منورہ چھوڑ دیں۔ اس کے بعد ان کا جو شخص بھی یہاں دیکھا گیا قتل کر دیا جائے گا۔ بنو نضیر کے اکثر لوگوں نے اس پیغام کے بعد مدینہ کو خیرباد کہنے کی تیاری شروع کر دی۔ مگر ابن ابی نے ان کو مدد کا پیغام بھیجا اور اس طرح بنو نضیر کے سردار نے اپنے لوگوں کو وہیں رہنے پر آمادہ کر لیا۔ اور ساتھ ہی بنو قریظہ اور حلیف بدوی قبائل کو مدد کے لئے درخواست کر دی۔ اور آنحضورؐ کو پیغام بھیجا کہ وہ مدینہ کو خیرباد کہنے کو تیار نہ ہیں۔ آپؐ جو چاہیں کریں۔ یہ پیغام ملتے ہی آنحضورؐ نے مسلمانوں کو جمع کیا۔ اور حضرت علیؓ کو پرچم عطا کیا۔ اور مسلمانوں کو لے کر بنو نضیر کی آبادی کا محاصرہ کر لیا۔ اور پھر اس نخلستان کو جو بنو نضیر کی ملکیت تھا۔ اور جس کے پیچھے ان کے گھر محفوظ تھے کاٹنے کا حکم دیا۔ جب بنو نضیر کو کسی طرف سے امداد نہ آئی تو انہوں نے مدینہ کو خیرباد کہنے پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اب آنحضورؐ نے شرائط سخت کر دیں۔ اور ان سے کہا کہ وہ اپنے اونٹوں پر جو مال لاد کر لے جا سکتے ہیں لے جائیں۔ مگر اس سامان میں سامان حرب نہ ہو۔ لہٰذا اس کے مطابق بنو نضیر نے مدینہ سے روانگی اختیار کی۔ اور اپنا تمام قیمتی اثاثہ لے گئے۔ ان کا چھوڑا ہوا اثاثہ اور اراضی مسلمان مہاجرین میں تقسیم کی گئی۔ صرف

دو انصار کو اس میں سے ان کے افلاس کے باعث حصہ دیا گیا۔ اور اس طرح
مہاجرین کے معاشی بوجھ سے انصار کو آزاد کر دیا گیا۔

بنو نضیر کے اخراج کے فوائد

۱۔ مسلمانوں کو بیرونی حملہ کی صورت میں اندرونی غداروں سے چھٹکارا حاصل ہوا۔
۲۔ معاشی لحاظ سے مسلمانوں کو استحکام نصیب ہوا۔
۳۔ مسلمانوں کی عسکری پوزیشن مضبوط ہو گئی۔ اور مدینہ کے اندر بسنے والے دیگر یہودی و منافقین پر دھاک بیٹھ گئی۔ قرآن مجید کی سورۃ حشر میں ان امور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔
۴۔ آنحضرتؐ نے اپنے یہودی محرر کی جگہ حضرت زید بن ثابت کو مقرر کیا۔
۵۔ مسلمانوں کو مدینہ کے اندرونی خلفشار سے نجات ملی تو وہ گردوپیش کے بدوؤں کی خبر لینے کے لئے مستعد ہو گئے۔

غزوۂ نجد

آنحضرتؐ نے بنو نضیر سے فارغ ہونے کے بعد بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے قلع قمع کا ارادہ کیا۔ یہ قبائل مسلمانوں کی یلغار کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور پہاڑوں میں جا کر پناہ لی۔ جس پر مسلمان واپس مدینے آ گئے۔ مقصد صرف مدینہ کے گردوپیش میں مسلمانوں کی وہی دھاک قائم کرنا تھی جو جنگ احد میں کسی حد تک متاثر ہوئی تھی۔

غزوہ بدر ثانیہ

میدان احد سے رخصتی کے وقت ابوسفیان نے آئندہ سال میدان بدر میں مقابلے کی دعوت دی تھی۔ جناب رسول اکرمؐ نے بنو نضیر سے نمٹنے اور مدینہ کے گردونواح میں بدوؤں کی سرکوبی کے بعد میدان بدر کا رخ کیا۔ دوسری طرف سے ابوسفیان بھی اپنے لشکر کے ہمراہ مکہ سے روانہ ہوا۔ مگر اثنائے راہ اس پر اور اس کے لشکر پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اس نے وہاں سے واپسی کا قصد کر لیا۔ جبکہ مسلمان نے بدر کے میدان میں آٹھ روز قیام کیا۔ اور کفار کے لشکر کا انتظار۔ اس سے مسلمانوں کو نفسیاتی برتری حاصل ہوئی۔ اور میدان احد کے نقصان کی کسی حد

تک تلافی ہو گئی۔ اس واقع سے چھ ماہ بعد تک آنحضرتؐ نے مدینہ میں قیام فرمایا۔ اور اس دوران جماعت مومنین کی تربیت اور اصلاح پر توجہ فرمائی۔

غزوہ دومتہ الجندل

آپؐ کو اطلاعات موصول ہوئیں کہ دومتہ الجندل کے گردونواح میں آباد غیر مسلموں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اور مسلمانوں پر حملے کے ارادے سے اپنی قوت مجتمع کر رہے ہیں۔ لہٰذا آپ نے ایک ہزار مسلمانوں کی نفری کے ساتھ حملے کا قصد کیا۔ اس غزوہ کے دوران مسلمان رات کو سفر کرتے اور دن کو قیام کرتے۔ اور اس حکمت عملی کی وجہ سے اچانک دشمن پر پہنچ گئے۔ اور کفار نے راہ فرار اختیار کی۔ اور تتر بتر ہو گئے جو اچانک حملے کا نتیجہ تھا۔ چند یوم قیام کے بعد مسلمان واپس آ گئے۔

جنگ خندق

یہود کے قبیلہ بنو نضیر کو مدینہ سے نکلنے کا دکھ تھا یہ قبیلہ خیبر میں جا کر آباد ہو گیا۔ مگر اس کے اکابرین نے مسلمان دشمنی کی پرورش کی اور قریش مکہ و دیگر مشرکین کو مسلمانوں پر حملہ کے لئے آمادہ کیا۔ لہٰذا قریش مکہ نے بنو نضیر اور دیگر قبائل کی مدد سے مدینہ پر حملہ کر دیا۔ اس جنگ میں جو دفاعی حکمت عملی مسلمانوں نے اپنائی اس نے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ حضورؐ نے تمام مسلمانوں سے صلاح مشورے کے بعد حضرت سلیمان فارسیؓ کی اس تجویز کو منظور فرمایا کہ مدینہ کے اندر محصور ہو کر جنگ لڑی جائے۔ اور مدینہ کا دفاع ایک خندق کھود کر کیا جائے لہٰذا ایسا ہی کیا گیا۔ قریش و دیگر حملہ آور قبائل اس طریق جنگ سے ناواقف تھے۔ لہٰذا وہ اس صورت حال سے کامیابی سے عہدہ برآ نہ ہو سکے۔ علاوہ ازیں اس دفاعی حکمت عملی سے مسلمانوں پر جنگی بوجھ کم سے کم پڑا۔ اور ان کا جانی و مالی نقصان بہت کم ہوا۔ حضورؐ نے یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو قریظہ سے معاہدہ کر رکھا تھا کہ وہ مدینہ پر حملے کی صورت میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ اس قبیلہ کے سردار کو بنو نضیر کے قبیلہ کے

سردار نے بڑی چابکدستی سے اپنے ساتھ ملا لیا اور قریش ▪ دیگر حملہ آوروں کا ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا۔ آنحضرتؐ تک جب یہ خبریں پہنچیں تو آپؐ نے ان کی تصدیق پر حضرت سعد بن معاذؓ۔ حضرت سعد بن عبادہؓ۔ عبداللہ بن رواحہؓ اور خوات بن جبیرؓ کو مامور فرمایا۔ حضرت سعد بن معاذؓ وہی برگزیدہ صحابی ہیں جنہوں نے بعد میں بنو قریظہ کی قسمت کا فیصلہ فرمایا۔ آپ کو اس کام پر مامور کرنے کے بعد یہ ہدایت دی کہ اگر بنو قریظہ اپنے عہد پر قائم ہوں تو واپس آکر بھری محفل میں اطلاع کر دیں۔ اور اگر ▪ بدعہدی کا شکار ہو چکے ہوں۔ تو واپسی پر اشارۃً حضورؐ کو آگاہ کر دیں۔ تاکہ دیگر مسلمانوں کے حوصلوں پر اس کا اثر نہ پڑے۔ لہٰذا ان اصحابؓ نے بنو قریظہ کے حالات کا مشاہدہ کر کے واپسی پر حضورؐ کو کنایتہ آگاہ کیا کہ بنو قریظہ اپنے عہد سے انحراف کر چکے ہیں۔ حضورؐ کو بنو قریظہ کی بدعہدی کا بڑا دکھ ہوا۔ اور یہ وقت مسلمانوں پر بڑا کٹھن اور امتحان کا وقت تھا۔ دشمن مدینہ کے باہر موجود تھا۔ اور اندر سے نقب لگا چکا تھا۔ مسلمانوں کو جنگ احزاب میں اس وقت کے مشرکین و یہود کی اجتماعی قوت کا سامنا تھا۔ لہٰذا حضورؐ نے یہاں تک سوچا کہ بنو غطفان کے دو سرداروں سے اس بات پر معاملہ طے کر لیا جائے کہ ان کو مدینہ کی ایک تہائی پیداوار دے کر قریش مکہ کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ کیا جائے۔ آپؐ نے اس خیال کا اظہار سعدین (یعنی سعد بن معاذؓ اور سعد بن عبادہؓ) سے کیا۔ مگر ہر دو نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ لہٰذا آپؐ نے اپنی تجویز پر اصرار نہ کیا۔ اس دوران بنو غطفان کے نعیم بن مسعود نے حاضری دی۔ اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا۔ مگر ان کا قبیلہ ابھی تک ان کے اسلام لانے سے لاعلم تھا۔ آپؐ نے نعیم بن مسعودؓ کو کفار اور یہود میں پھوٹ ڈالنے اور ان کے مسلمانوں کے خلاف باہمی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے پر مامور کیا۔ لہٰذا نعیمؓ نے فریقین سے ملاقات کی اور یہود کو یہ کہا کہ قریش مکہ تمہیں مسلمانوں کے رحم و کرم پر چھوڑ کر مکہ واپس چلے گئے تو تم کیا کرو گے۔ یہود نے نعیمؓ کو اپنا ہمدرد پا کر مشورہ کیا تو انہوں نے تجویز دی کہ تم قریش سے ان کے چند اکابر بطور یرغمال دینے کو کہو۔ تاکہ وہ تمہارے پاس اس بات کی ضمانت رہیں کہ قریش مسلمانوں سے آخری دم تک نبرد آزما رہیں گے۔ نعیم بن مسعود نے اسی طرح قریش کو کہا کہ یہود تمہارے

ساتھ مخلص نہ ہیں۔ بلکہ ان کا معاہدہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تم سے تمہارے اکابرین کو بطور ضمانت طلب کریں گے اور ان کا ارادہ ہے کہ وہ ان اکابرین کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں اور یوں تمہارے حوصلے پست ہو جائیں۔ جب اسی شام یہود اور قریش کے سرداروں کی ملاقات ہوئی۔ اور مسلمانوں پر بھرپور وار کرنے کے لئے دونوں نے تفصیلات طے کیں تو یہود کی طرف سے یرغمالیوں کا مطالبہ پیش ہوا۔ جسے قریش مکہ نے شک کی نظروں سے دیکھا۔ اور اس طرح فریقین کے درمیان شکوک اور شبہات نے باہمی تعاون کی فضا کو ختم کر دیا۔

اس جنگ سے ہمیں یہ سبق ملا کہ دفاعی حکمت عملی باہمی مشاورت سے طے کی جانی چاہئے۔ اور پھر یہ کہ احسن تجویز کو قبول کرنے میں تاخیر نہ کی جائے۔ البتہ اندرونی اور بیرونی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مخالف فریقین میں لالچ۔ یا حکمت عملی کے ذریعہ پھوٹ ڈالنے کی کوشش جنگی نکتہ نگاہ سے نہ صرف جائز ہے بلکہ ان حالات میں مستحسن بھی ہے کیونکہ اس کی بدولت خون خرابے اور جانی و مالی نقصان سے بچا جا سکتا ہے۔

بنو قریظہ کا معاملہ

بنو قینقاع اور بنو نضیر کے بعد بنو قریظہ کا یہودی قبیلہ مدینہ میں آباد تھا۔ بنو نضیر کے سردار نے بنو قریظہ کے سردار کو مسلمانوں سے بدعہدی پر مائل کیا۔ اور انہوں نے جنگ خندق کے دوران کفار سے سازباز کی اور کھلے بندوں مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کیا۔ تو اس پر آنحضرتؐ کے حکم سے کفار کے محاصرہ ختم کرنے کے بعد مسلمانوں نے بنو قریظہ کی آبادی کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرہ سے تنگ آ کر بنو قریظہ نے اوس کے قبیلہ سے اپنی سابقہ دوستی کی بدولت رابطہ کر کے آنحضرتؐ سے جان بخشی کا پروانہ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور اس ضمن میں بنو قینقاع کے ساتھ قبیلہ خزرج کی بدولت حضورؐ کے نرم سلوک کو حوالہ بنا کر پیش کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے انتہائی حکمت سے قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ کو حکم بنانے کی تجویز پیش کی۔ اور قبیلہ اوس کے ان سفارشیوں سے کہا کہ جاؤ اور بنو قریظہ سے اس کی تائید کرا

لو۔ بنو قریظہ نے بھی اپنے سابقہ تعلقات کی بناء پر حضرت سعد بن معاذ کے حکم [redacted] فیصل مقرر کئے جانے کی تائید کر دی۔ مگر [redacted] بھول گئے کہ جب حضرت سعدؓ رسول اکرم کے سفیر بن کر ان کے پاس آئے تھے تو انہوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔ حضرت سعد بن معاذ کو بلوایا گیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ بنو قریظہ کے معاملہ میں فیصلہ دیں۔ حضرت سعدؓ نے فریقین سے یہ اقرار لے کر کہ ان کا فیصلہ سب کو قابل قبول ہو گا۔ یہ فیصلہ سنایا کہ یہود کے بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا جائے اور ان کا مال اسباب مسلمانوں میں بطور مال غنیمت تقسیم کر دیا جائے۔ اسی فیصلہ پر عمل کیا گیا۔

بنو قریظہ کے معاملے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سابقہ یہودی قبائل کے سلوک سے سبق سیکھتے ہوئے ان کی بیخ کنی کر دی گئی۔ اوس نے قبائلی تعلق کے پیش نظر سفارش کی تو اوس کے سردار کو ہی بنو قریظہ کا فیصلہ سونپ دیا۔ بلکہ آنحضرتؐ کی دوررس نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ اوس کے ساتھ اس تعلق کی بناء پر آپ نے حضرت سعدؓ بن معاذ کو ہی بنو قریظہ کے حالات معلوم کرنے اور انہیں مسلمانوں کے ساتھ اپنے عہد کی پابندی پر مائل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ جنگی نکتہ نگاہ سے آپ نے ان اکابرین کو فرما دیا تھا کہ اگر یہود اپنے عہد پر قائم ہوں تو واپسی پر برملا اظہار کر دینا۔ اگر [redacted] بدعہدی کا شکار ہوں تو آنحضرتؐ کو اشاروں اور کنایوں میں آگاہ کرنا تاکہ مسلمانوں کے Morale پر اثر نہ پڑے۔

حضورؐ کو قریش مکہ اور یہود مدینہ سے قدرے اطمینان حاصل ہوا تو آپ نے مدینہ کے گردوپیش کے سرکش قبائل کی سرکوبی کی ٹھانی۔ لہٰذا مختصر سے عرصہ میں غزوہ بنو لحیان۔ غزوہ ذی قرد۔ اور غزوہ بنی المصطلق پیش آیا ان غزوات میں واقعات اور نتائج کے اعتبار سے غزوہ بنی المصطلق بہت اہم ہے۔ اور اس غزوہ کے دوران ایسے واقعات پیش آئے جن کی الجھنوں کو دور کرنے میں آپؐ نے کمال حکمت اور تدبر سے کام لیا۔ اور ملت اسلامیہ کا شیرازہ ابتدائی مراحل پر بکھرنے سے بچا لیا۔ ان معاملات کو اگر آپؐ خوش اسلوبی سے نہ نمٹاتے تو امت مسلمہ پر ان کے دوررس نتائج مرتب ہوتے اور آج ملت اسلامیہ کی ہیئت ترکیبی بالکل مختلف ہوتی۔ غزوہ بنی المصطلق کے

دوران مہاجرین اور انصار مدینہ کے قبیلہ خزرج کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ جس نے بڑھ کر قبائلی عصبیت کی صورت اختیار کر لی اور مہاجرین و انصار تلواریں سونت کر آمنے سامنے آ گئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے اختلافات کو ہوا دینے کی کوشش کی۔ اور خباثت باطنی سے ایسا زہر اگلا کہ مسلمانوں کے درمیان دائمی دشمنی کا عفریت سر اٹھانے لگا۔ رئیس المنافقین نے کہا۔ "مہاجر ہمارے شہر میں اڈ کر آ گئے ہیں۔ ہمیں ان کے استیصال میں داناؤں کے اس مقولہ پر عمل کرنا ہی پڑے گا کہ اگر اپنے سگ کو فربہ کر دیا تو پہلے اپنے مالک ہی کا گلا دبوچ گا"

رئیس المنافقین نے اپنے ہم مشربوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم نے یہ مصیبت خود مول لی ہے۔ انہیں (یعنی مہاجرین کو) اپنے ہاں پناہ دی۔ اور اپنے اموال میں سے ان کی اعانت کی۔ بخدا ان پر اپنے اموال خرچ نہ کرو۔ کہ یہ خود ہی تتر بتر ہو جائیں گے۔"

آنحضرت کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو لشکر کو فوراً کوچ کا حکم دیا۔ دن بھر۔ اور رات بھر سفر جاری رکھا گیا۔ دوسرے دن ظہر کے وقت پڑاؤ کیا۔ تو مسلمان سفر کی تھکان سے بے سدھ ہو چکے تھے۔ فوراً آرام کرنے لگے۔ اور اس طرح آپؐ کی حکمت عملی سے یہ فتنہ سر اٹھاتے ہی دب گیا۔

حضرت عمرؓ نے ابن ابی کی اسلام دشمنی کی وجہ سے اس کے قتل کی اجازت چاہی مگر آنحضرتؐ نے کمال حکمت کا مظاہرہ فرماتے ہوئے کہا "اے عمرؓ اگر ایسا کیا گیا تو دنیا کہے گی محمدؐ نے اپنے ہمراہیوں کے قتل کرانے میں باک نہیں کیا"۔ مدینہ پہنچنے پر ابن ابی کے قتل کا حکم دیئے جانے کی خبر پھیل گئی۔ تو حضرت عبداللہؓ بن عبداللہ بن ابی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر میرے والد کو قتل کرانا مقصود ہو تو مجھے حکم کیجئے گا۔ یہ کام میں سرانجام دوں گا۔ آنحضرتؐ نے جواب میں فرمایا۔ "ہم قتل کی بجائے ان کے ساتھ مہربانی' اپنی مجلس میں حاضرباشی اور ان کی اصلاح کی کوشش میں کمی نہ رہنے دیں گے۔"

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ایک روز آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا۔ "اے عمرؓ اگر میں اس روز عبداللہ بن ابی کے قتل کا حکم دیتا جب آپؓ نے

چاہا تھا تو قبیلہ خزرج کے لوگ غراتے ہوئے اُمڈ آتے۔ لیکن اگر آج میں اس کے قتل کا حکم دوں تو کوئی فتنہ پیدا نہ ہو گا۔"

اسی غزوہ کی واپسی پر واقعہ افک پیش آیا۔ جس میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی پر تہمت لگائی گئی۔ تفصیل کتب سیرت میں موجود ہے۔ میں اس واقعہ کی حکمت کے پہلوؤں کی طرف اشارہ کروں گا۔ اور جس بردباری اور تحمل سے اور کمال حکمت سے حضورؐ نے اس واقعہ کو برداشت کیا اس کا اجمالی خاکہ پیش کروں گا۔

رئیس المنافقین نے اس واقعہ کو ہوا دی۔ نادان مسلمان جن میں حسان بن ثابت۔ مسطح بن اثامہ۔ حمنہ بی بی دختر حجش شامل تھے نے اس واقعہ کو لوگوں میں پھیلایا۔ اس واقعہ سے آنحضرتؐ کے حرم کی عزت کو اچھالا گیا۔ جس کے نتیجہ میں لازم تھا کہ آنحضرتؐ افسردہ ہوتے۔ لہٰذا آپ کو دکھ ہوا۔ آپ نے ابتداء حضرت عائشہؓ سے کنارہ کشی اختیار کی۔ اور حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کی بے اعتنائی کے پیش نظر اپنے والدین کے ہاں نقل مکانی کر لی۔

آنحضرتؐ نے اس تمام واقعہ میں جذباتیت کو غالب نہ آنے دیا۔ اور صبر و تحمل کا دامن تھامے رکھا۔ تاہم بشری دکھ اور صدمہ کا اظہار فرماتے ہوئے آپؐ نے خطبہ فرمایا۔ "صاحبو بعض اشخاص میرے حرم پر ناحق افتراء باندھ رہے ہیں۔ جو میری ایذاء کا موجب بن گیا ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے اہل بیت کی عصمت و عفت پر پورا یقین ہے۔ اور یہ افتراء جس شخص سے منسوب ہے میں اسے بھی نیک محضر سمجھتا ہوں۔"

آنحضرتؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر تشریف لے گئے۔ اور وہاں حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ "اے عائشہؓ اللہ سے ڈرتی رہو۔ اگر لوگوں کا خیال ٹھیک ہے تو اللہ کے حضور توبہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔"

حضرت عائشہؓ نے اپنے والدین کی طرف دیکھا۔ دونوں کی خاموشی سے خفا ہو کر کہا۔ آپ لوگ خاموش بیٹھے ہیں۔ اس پر والدین نے کہا۔ "ہمیں حقیقت کا کوئی علم نہیں" حضرت عائشہؓ نے جذبات میں آ کر کہا "یارسول اللہ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا کہ میں توبہ کروں۔ البتہ میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا جملہ دہراتی ہوں۔ فصبر

جمیل- واللہ المستعان علی ما تصفون○

اسی مجلس میں حضورؐ پر وحی کے نزول کی کیفیت طاری ہوئی اور آپ نے حضرت عائشہؓ کو بشارت دی کہ ان کی بریت میں قرآن پاک نازل ہوا ہے- اور پھر وہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں جن میں نہ صرف حضرت عائشہؓ کی بریت کا اظہار تھا- بلکہ ایسے واقعات معاشرہ میں اسلامی معاشرہ کا طرز عمل بھی بتلایا گیا تھا- جس میں حکمت کے بے شمار پہلو ہیں- مثلاً

۱- ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں نیک گمان رکھنا چاہئے اور ایک مسلمان کے بارے میں ایسی بات سن کر فوری ردعمل یہ ہونا چاہئے کہ سننے والا اس کا اعلان کرے کہ یہ جھوٹ اور افتراء ہے-

۲- ایسے معاملات کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ چار عینی شاہد تصدیق کریں- بصورت دیگر یہ الزام پایہ ثبوت تک نہ پہنچ سکے گا-

۳- ایسی بلا تحقیق بات کا چرچا مسلمانوں کو نہ کرنا چاہئے تھا-

۴- اس طرز عمل سے مسلمانوں کو اجتناب کرنا ہے- اور فاحشہ باتوں کا چرچا نہیں کرنا-

۵- پھر ایک ابدی- قانونی نکتہ بیان کر دیا- کہ جو لوگ مسلمان پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہوں کی شہادت پیش نہ کر سکیں- انہیں اسی درے مارے جائیں اور آئندہ ان کی گواہی قبول نہ کی جائے- کیونکہ یہ فاسق ہیں-

۶- اسی حکم قرآنی کے تابع مسطح بن اثاثہ- حسان بن ثابت اور حمنہ بنت جحش کو اسی دروں کی سزا دی گئی- مگر بعد ازاں یہ سب حضورؐ کے لطف و کرم سے پہلے کی طرح فیضیاب ہوتے رہے=

اس سارے واقعہ میں حضورؐ- حضرت عائشہ صدیقہؓ اور مسلمانوں کے طرز عمل کا ملاحظہ کیجئے- آنحضرتؐ کمال ضبط اور حکمت کی تصویر ہیں- حضرت عائشہؓ تحمل و وقار کے ساتھ اسے برداشت کرتی ہیں- حضرت عائشہؓ کے والدین انتہائی بردباری کے ساتھ اللہ کے فیصلے کا انتظار کرتے ہیں- اللہ کے کلام کے ذریعہ مسلم معاشرہ کے طرز عمل کے خدوخال واضح کئے جاتے ہیں- اور ایسے معاملات سے نمٹنے کا ایک دائمی

بندوبست کر دیا جاتا ہے۔ اور اس میں ملوث افراد کے ساتھ کوئی خصوصی برتاؤ نہیں کیا جاتا ہے۔ نہ ہی قانون کی نظر میں ممتاز اور معتبر شخصیتوں کے ساتھ ترجیحی سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ جن افراد پر تعزیز لاگو کی گئی۔ بعد ازاں ان کے ساتھ مخصوص برتاؤ نہیں کیا جاتا ماسوائے جس کا حکم قرآن حکیم میں صادر ہوا۔

حدیبیہ۔ تاریخ اسلام کا ایک اہم موڑ

ہجرت کے کچھ سال گزرنے کے بعد مسلمانوں نے بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کا قصد کیا۔ غزوہ بنو مصطلق کے بعد چند سرایا کا اہتمام کیا گیا۔ مختلف قبیلوں کی سرکوبی کے لئے لشکر روانہ کئے گئے۔ جو نہایت کامیاب و کامران واپس آئے۔ اور اس طرح مدینہ کے گردونواح میں امن و امان کے قیام کے بعد آنحضرتؐ نے تمام تر توجہ مکہ کی جانب مرکوز کر دی۔ مکہ میں بیت اللہ مسلمانوں کا قبلہ موجود تھا۔ مگر مسلمان اس کی زیارت سے محروم تھے۔ علاوہ ازیں جب تک مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے خوشگوار تعلقات قائم نہ ہوتے اسلام کی اس پہلی ریاست کو اہل عرب کی طرف سے وہ پذیرائی نہ مل سکتی تھی۔ جس کی اس نوزائیدہ مملکت کو ضرورت تھی۔ لہٰذا آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو اپنا خواب سنایا کہ آپؐ صحابہ کرام کے ہمراہ مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ بیت اللہ کا طواف اور عمرہ ادا کیا۔ اور ساتھ ہی فرمان ربانی "**لقد خلن المسجد الحرام ان شاء اللہ امنین**" سنایا۔

اب یہ معاملہ درپیش تھا کہ اہل مکہ کے ساتھ تو مسلمانوں کے تعلقات کشیدہ ہیں۔ لہٰذا مکہ میں داخلے کی کیا صورت ہو گی۔ کیا اہل مکہ اطاعت قبول کر لیں گے۔ یا ان کے ساتھ جنگ کر کے انہیں زیر نگیں کیا جائے گا یا ان کے ساتھ کوئی عارضی معاہدہ ہو گا۔

آنحضرتؐ کے حکم پر قریش و انصار اور چند غیر مسلم قبائل نے قربانی کے جانور ہمراہ لئے۔ اور صرف تلواریں (نیام کے اندر) لے کر چل دیئے۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر عمرہ کا احرام باندھا گیا۔ تاکہ قریش مکہ کو اطمینان ہو کہ مسلمان جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے۔

تاہم قریش کے ارادوں سے باخبر رہنے کے لئے قبیلہ خزاعہ کا ایک جاسوس قریش کی خبر لانے کے لئے روانہ کیا۔ اس نے خبر دی کہ قریش نے اپنے حلیف قبائل کو جمع کر لیا ہے۔ تاکہ آپؐ کا مقابلہ کر سکیں۔ آنحضرتؐ نے مشاورت کی کہ کیوں نہ قریش کے حلیف قبائل پر حملہ کر دیا جائے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو عمرہ کی ادائیگی کا قصد کرنا چاہئے۔ اور ان کی راہ میں جو حائل ہو اسی سے لڑائی کرنی چاہئے۔ آپؐ نے ابوبکر صدیقؓ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے سفر جاری رکھا۔ قریش کی طرف سے مزاحمت کے لئے حضرت خالد بن ولید دو سو سواروں کے دستے کے ساتھ کراع الغمیم کے مقام پر موجود تھے۔ مگر آنحضرتؐ نے لڑائی سے اجتناب کے پیش نظر وہ راستہ تبدیل کر دیا۔

راستے میں بدیل بن ورقاء خزاعی حضورؐ سے ملا۔ اس نے اطلاع دی کہ وہ حدیبیہ کے مقام پر قریش کو خیمہ زن دیکھ کر آیا ہے۔ جو مسلمانوں سے ہر قیمت پر لڑنا چاہتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہم لڑنے کے لئے نہیں آئے۔ قریش ہمارے درمیان سے ہٹ جائیں۔ یا اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ہاں اگر وہ لڑنے پر اصرار کرتے ہیں تو میں آخری دم تک ان سے لڑوں گا۔ بدیل نے یہی بات قریش تک پہنچا دی۔

قریش نے اپنا ایلچی مکرز بن حفص بھیجا۔ آنحضرتؐ نے اسے دیکھ کر کہا یہ بدعہد آدمی ہے۔ اور اسے بھی وہی بات فرمائی جو بدیل کو کہی تھی۔ مکرز بن حفص ابتدائی ایلچی تھا جو بدیل کی باتوں کی تصدیق کے لئے روانہ کیا گیا تھا۔

قریش کا دوسرا ایلچی

اس کے بعد قریش نے باقاعدہ سلسلہ جنبانی شروع کیا اور بنوکنانہ کے حلیس بن علقمہ نامی شخص کو روانہ کیا۔ اسے دیکھ کر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ یہ بنوکنانہ کا حلیس ہے۔ یہ ایسی قوم سے ہے جو ہدی کے جانوروں کا احترام کرتی ہے۔ لہذا قربانی کے جانوروں کو کھڑا کر دو۔ قربانی کے جانور کھڑے کر دیئے گئے۔ اور صحابہ نے لبیک کہنا شروع کر دیا۔ حلیس نے یہ کیفیت دیکھی تو واپس لوٹ گیا۔ اور قریش کو مشورہ دیا کہ مسلمانوں کو بیت اللہ شریف میں داخلے سے نہ روکا جائے۔ مگر قریش نے اس کی بات

نہ مانی۔

قریش کا تیسرا ایلچی

عروہ بن مسعود ثقفی قریش کی طرف سے نمائندہ بن کر حاضر ہوا۔ گفتگو شروع ہوئی۔ حضورؐ نے وہی باتیں جو بدیل اور مکرز بن حفص سے کی تھیں عروہ سے بھی کیں۔ عروہ نے صحابہ کرامؓ کے رسول اللہؐ سے تعلق خاطر، عقیدت و احترام کے روح پرور مناظر دیکھے تو واپس آکر قریش سے کہا کہ اس نے بادشاہوں کے درباریوں کو اس قدر عزت و احترام کرتے نہیں دیکھا جس قدر محمدؐ کے ساتھی ان کا احترام کرتے ہیں۔ عروہ نے حضورؐ کی تجویز قبول کر لینے کا مشورہ دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی سفارت

آنحضورؐ نے اب قریش کے پاس باقاعدہ سفیر بھیجنے کیلئے حضرت عثمانؓ کا تقرر فرمایا۔ اور انہیں ہدایت دی کہ قریش کو جا کر بتا دیں کہ مسلمان عمرہ ادا کرنے آئے ہیں لڑنے نہیں آئے۔ حضرت عثمانؓ کو مزید کہا کہ قریش کو اسلام کی دعوت بھی دیں۔ اور مکہ میں مقیم مسلمانوں کو فتح کی بشارت دیں۔ ملاحظہ کیجئے حضرت عثمانؓ کی سفارت کس قدر متنوع فرائض کی حامل تھی۔ صلح کی کوشش۔ تبلیغ دین اور مکہ کے مسلمانوں کو فتح کی بشارت۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی افواہ پر حضورؐ کا ردعمل

حضرت عثمانؓ کی واپسی میں تاخیر کے سبب مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی کہ قریش نے رسول اللہؐ کے سفیر کو شہید کر دیا ہے۔ اس پر آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے مسلمانوں سے بیعت لی کہ وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں جائیں گے اسے بیعت رضوان بھی کہا جاتا ہے۔

بیعت رضوان کا اثر

قریش مکہ جو مسلمانوں کے ارادوں سے کلی طور پر بے خوف نہ ہوئے تھے۔ جب بیعت کی خبر سنی تو سراسیمہ ہو گئے۔ بیعت رضوان سے لازماً انہوں نے یہ تاثر لیا کہ یا تو مسلمانوں سے حضورؐ نے از سرِنو مکہ میں ہر قیمت پر داخلہ کی بیعت لی ہے۔ یا پھر قریش پر حملہ کا ارادہ۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اب سنجیدہ سفارت کاری کا ارادہ کرتے ہوئے سہیل بن عمرو کو معاملات صلح طے کرنے کے لئے روانہ کیا۔ سہیل کو قریش نے یہ تاکید کی کہ اس سال مسلمان واپسی پر آمادہ ہوں اور مکہ میں داخلہ پر اصرار نہ کریں۔ آنحضرتؐ نے جب سہیل کو آتا دیکھا تو آپ نے فرمایا۔ تمہارا کام تمہارے لئے سہل کر دیا گیا ہے۔ اس شخص کو بھیجنے کا مطلب یہ ہے کہ قریش صلح چاہتے ہیں۔ بیعت رضوان جہاں صحابہ کرامؓ کے لئے پروانہ بریت لے کر آئی وہاں ان کے لئے نوید صلح بھی بنی۔ کیونکہ اہل عرب میں بیعت کسی سنگین نوعیت کے عہد کی نشاندہی کرتی تھی۔ اور اس کا مطلب یہ تھا کہ بیعت کرنے والے اپنے ارادوں کی تکمیل کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہیں۔ اور جانوں کا نذرانہ دیئے بغیر ٹلنے والے نہ ہیں۔

سہیل بن عمرو کے ساتھ گفتگو کے بعد جو شرائط صلح طے ہوئیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اس سال مسلمان مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال مکہ میں داخل ہو کر تین روز تک قیام کریں گے۔

۲۔ دس سال تک فریقین میں جنگ نہیں ہو گی۔

۳۔ قبائل عرب فریقین سے عہد و پیمان کر سکیں گے۔ اور یہ قبائل بھی فریق مخالف کی طرف سے اس طرح محفوظ و مامون ہونگے جس طرح خود فریق صلح۔

۴۔ قریش میں سے جو مرد مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس پہنچ جائے گا۔ قریش کو واپس کر دیا جائے گا اور مسلمانوں میں سے جو شخص قریش کے پاس آ جائے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہ کیا جائے گا۔

حضرت علیؓ نے معاہدہ صلح تحریر کیا۔ سہیل نے محمد الرسول اللہ کی تحریر پر

اعتراض کیا۔ آنحضرتؐ نے رسول اللہ کی بجائے "محمد بن عبداللہ" تحریر کرنے کی اجازت دے دی۔

ابوجندل کی واپسی

معاہدہ کی شرائط طے پا چکی تھیں۔ مگر ابھی معاہدہ ضبط تحریر میں لایا جا رہا تھا کہ ابوجندل جو قریش کے سفیر سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے۔ اور مسلمان ہو چکے تھے پہنچ گئے۔ اور مسلمانوں سے امداد و اعانت کے طالب ہوئے۔ مگر انہیں یہ کہہ کر آنحضرت نے واپس سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا کہ قریش کے ساتھ معاہدہ طے پا چکا ہے اور اس معاہدہ کی رو سے مسلمان ان کو واپس لوٹانے کے پابند ہیں۔

مہاجرہ عورتوں کی واپسی سے انکار

اس کے بعد کچھ مومنہ عورتیں قریش کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر مسلمانوں کی پناہ کی طالب ہوئیں۔ آنحضرتؐ نے انہیں پناہ دی۔ اور قریش کا واپسی کا مطالبہ یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ وہ صرف مرد مسلمانوں کے بارے میں تھا۔ کیونکہ معاہدہ کی تحریر سے یہی ثابت ہوتا تھا۔ اسی سلسلے میں بعد ازاں آیات قرآنی کا نزول ہوا۔

صلح حدیبیہ۔ فتح مبین

قارئین کرام صلح حدیبیہ حضورؐ کی سیاسی بصیرت۔ عسکری فراست۔ سفارتی حکمت عملی۔ کی واضح مثال ہے۔ آپ ان واقعات کا دوبارہ جائزہ لیں اور ایک ایک کڑی کا بغور ملاحظہ کریں۔ آپ پر سربستہ راز منکشف ہوتے چلے جائیں گے کہ کس طرح آنجنابؐ نے ذوالحلیفہ کے مقام پر عمرہ کا احرام باندھا۔ اور پھر قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص کی خدمات حاصل کیں کہ قریش کو باور کرائے کہ مسلمان صرف اور صرف عمرہ کے ارادہ سے آ رہے ہیں۔ قریش کے حلیف قبائل کے پسماندگان پر حملے کا ارادہ کیا گیا۔ مگر بعد ازاں ترک کر دیا۔ اور حضرت خالد بن ولید سے مسلمانوں کی مڈبھیڑ کو راستہ تبدیل کر کے موخر کیا گیا۔ بدیل بن ورقاء کو پیغام دے کر قریش کے پاس روانہ

کیا۔ اور بڑے واضح پیغام کے ساتھ۔ قریش کے پہلے ایلچی کو حضورؐ نے بدعہد کہا اور اسے بھی بدیل والا پیغام دے کر لوٹا دیا گیا۔ دوسرے ایلچی کے ساتھ اس کے قبیلہ کے اعتقادات کے پیش نظر مخصوص سلوک روا رکھا گیا۔ جس کا مثبت نتیجہ سامنے آیا کہ اس نے واپس جا کر قریش کو مسلمانوں کی مرضی کے مطابق رائے دی۔ تیسرے ایلچی کو بھی مسلمانوں کے طرز عمل سے مرعوب کن تاثر دیا گیا۔ حضرت عثمانؓ جیسے صلح جو۔ دھیمے مزاج۔ شخص کو سفارت کے لئے منتخب کیا گیا۔ آج بھی سفارتی ذمہ داریوں کے لئے حضرت عثمانؓ کی خصوصیات کے حامل شخص کی ضرورت ہے۔ ان کے سفارتی فرائض میں قریش کو مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ کی اجازت پر آمادہ کرنا۔ تبلیغ دین اور مکہ کے محصور مسلمانوں کے لئے فتح کی بشارت دینا تھا۔ پھر بیعت رضوان کا معاملہ اور سہیل بن عمرو کی آمد سے آنحضرتؐ کا یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ قریش اب آمادۂ صلح ہیں۔ حضرت محمدؐ کی دانش و حکمت کی دلیل ہے۔ سہیل کے ساتھ شرائط صلح کا طے کرنا۔ تحریر کے وقت محمدؐ رسول اللہ کے الفاظ کو حذف کرنے پر آمادگی کا اظہار۔ شرائط صلح کی ابوجندل کے معاملہ میں پابندی۔ مسلمان عورتوں کے ضمن میں شرائط صلح کے الفاظ کی رعایت کا فائدہ اٹھانا۔ یہ سارے واقعات حکمت رسول اللہؐ کی واضح نشاندہی کرتے ہیں۔

شرائط صلح اگرچہ بظاہر اتنی دلکش نظر نہیں آتیں۔ مگر آنحضرتؐ کی دوررس نگاہوں نے ان کے اندر فتح مبین کی نوید کو بھانپ لیا تھا۔ ان شرائط کے مضمر فوائد درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کو سنجیدہ طور پر مدمقابل اور ایک معزز فریق تسلیم کر لیا گیا۔

۲۔ مسلمان اپنے سب سے بڑے حریف قریش کی طرف سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کی شرط کے پیش نظر محفوظ و مامون ہو گئے۔

۳۔ قریش۔ قبائل عرب کی سرداری اور قیادت و سیادت کے دعویدار تھے۔ مگر اس معاہدہ کی رو سے انہوں نے قبائل عرب کو آزاد کر دیا کہ وہ چاہیں تو مسلمانوں سے معاہدہ کر لیں۔ اور قریش ان کے اس معاہدے کے بھی اسی طرح پابند ہوں گے جس طرح مسلمانوں کے ساتھ بلاواسطہ کئے گئے معاہدہ کے پابند ہیں۔

۴۔ چوتھی شرط معاہدہ جو بظاہر مسلمانوں پر بہت گراں تھی۔ بعد ازاں قریش مکہ نے خود ہی ساقط کر دی۔ ہوا یوں کہ مکہ سے فرار ہونے والے مسلمانوں ابوبصیر۔ ابوجندل وغیرہ نے ساحل سمندر پر ایک بستی آباد کرلی۔ اور قریش کے تجارتی قافلوں کی ناکہ بندی شروع کر دی۔ قریش نے تنگ آکر حضورؐ سے درخواست کی کہ ان لوگوں کو مدینہ بلوا لیا جائے۔

الغرض صلح حدیبیہ کی بدولت اگلے ہی سال قریش کے سربرآوردہ اشخاص عمر بن العاص۔ خالد بن ولید اور عثمان بن طلحؓ نے اسلام قبول کر لیا۔ اور یہ معاہدہ حقیقتاً فتح مبین ثابت ہوا۔ جو آنحضرتؐ کی بصیرت و حکمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

بادشاہوں اور حکمرانوں کو خطوط کی روانگی

صلح حدیبیہ کے بعد قریش مکہ کی طرف سے مطمئن ہونے کے بعد جناب رسول اللہؐ نے گردوپیش کے حکمرانوں کو دعوت اسلام دینے کی غرض سے خطوط ارسال کئے۔ یہ خطوط ۶ ھ کے آخر میں روانہ کئے گئے۔ علامہ منصورپوری کے مطابق یہ خطوط یکم محرم ۷ ھ کو روانہ کئے گئے۔

ان خطوط پر ثبت کرنے کے لئے ایک مہر (اللہ' رسول' محمد) بنوائی گئی۔ پیامبروں کا انتخاب اس انداز سے کیا گیا کہ جو پیامبر جس قوم کے پاس بھیجا گیا وہ اس قوم کی زبان میں بیان کی قدرت رکھتا تھا۔ عیسائی بادشاہوں کے نام بھیجے جانے والے خطوط میں یہ آیت مبارکہ خصوصیت کے ساتھ تحریر کرائی گئی۔

یا اھل الکتاب تعالو الی کلمتہ سواء بینا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیءا ولا یتخذ بعضنا بعض اربابا من دون اللہ"

جن بادشاہوں کے نام خطوط ارسال کئے گئے ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

بادشاہ یا حکمران کا نام	پیامبر کا نام	رد عمل
۱۔ اصحم بادشاہ حبش	عمرو بن امیہؓ	مسلمان ہوا۔
۲۔ منذر بن ساوی شاہ بحرین	علاء بن الحضرمیؓ	مسلمان ہوا۔
۳۔ جیفر و عبد ملک عمان	عمرو بن عاصؓ	مسلمان ہوئے۔

۴- منذر بن حارث حاکم دمشق	شجاع بن وہب الاسدیؓ	مسلمان نہ ہوا۔
۵- ہوذہ بن علی حاکم۔ یمامہ	سلیط بن عمروؓ	مسلمان نہ ہوا۔
۶- جریج بن متی مقوقس شاہ مصر و سکندریہ	حاطبؓ بن ابی بلتعہ	سفیر کا احترام کیا۔ تحائف بھیجے مگر اسلام نہ لایا۔
۷- ہرقل۔ شاہ روما	وحیہ بن خلیفۃ الکلبیؓ	مثبت رد عمل کا اظہار کیا۔ مگر اسلام نہ لایا۔
۸- خسرو پرویز کسریٰ ایران	عبداللہ بن حذافہؓ	نامہ مبارک کی بے حرمتی کی۔ نامہ مبارک کے چاک کرنے کی خبر آ کو ملی تو آپ نے فرمایا۔ اس نے اپنی قوم کے فرمان سلطنت کو چاک کر دیا ہے۔

فتح خیبر

خیبر مدینہ سے شمال کی جانب یہودؑ کی بڑی متمول بستی تھی۔ جہاں متعدد مضبوط قلعے تھے۔ مدینہ سے بنو نضیر بھی یہیں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ مدینہ کی نوزائیدہ مملکت خداداد کے خلاف جو تین قوتیں۔ قریش۔ یہود اور قبائل عرب بر سر پیکار تھے۔ ان میں سے مالی لحاظ سے سب سے مستحکم اور خوشحال اہل خیبر تھے۔ آنحضورؐ قریش کی طرف سے صلح حدیبیہ کی بدولت مطمئن ہوئے تو آپ نے مسلمانوں کے دوسرے بڑے دشمن کی خبرگیری کا تہیہ کیا۔ اور محرم الحرام ۷ ھ خیبر پر حملہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپ نے اپنے ہمراہ انہی مسلمانوں کو لیا جو حدیبیہ میں آپ کے ساتھ تھے۔ مسلمان لشکریوں کی تعداد چودہ سو یا سولہ سو تھی۔ جبکہ خیبر میں یہود کی فوجوں کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اور انہیں اپنے حلیف بنو غطفان کی طرف سے چار ہزار کی کمک کی امید بھی تھی۔ عبداللہ بن ابی نے خیبر کے یہودیوں کو مسلمانوں کے ارادوں سے بروقت آگاہ کر دیا تھا۔ آنحضرتؐ نے ان حالات میں خیبر پر حملہ کی ٹھانی اور مدینہ سے روانہ ہوئے۔ خیبر کی فتح کی تفصیلات تو کتب تاریخ و سیر میں مل جاتی ہیں۔ لیکن اس معرکہ میں جن امور کی نشاندہی مجھے مقصود ہے اور جو میری اس کتاب

کے موضوع سے مناسبت رکھتے ہیں یہ ہیں۔

۱۔ خیبر جاتے ہوئے آپ نے وہ راستہ اختیار کیا کہ جس سے یہود خیبر کے طاقتور حلیف بنو غطفان کی آبادی ایک دن اور ایک رات کی مسافت پر واقعہ تھی۔) میرے خیال میں بنو غطفان نے مسلمانوں کے اسی قرب کے اندیشے سے ایک دفعہ خیبر کے لئے روانہ ہونے کے بعد واپسی کی تھی۔ اور پھر نہ نکلے تھے۔

۲۔ آنحضرتؐ نے ماہرین راستہ بتانے کے لئے ساتھ لئے تھے۔ اور ان کو ایسے راستے پر جانے کی ہدایت کی تھی۔ جو خیبر اور بنو غطفان کے درمیان پڑتا ہو تاکہ بنو غطفان کی کمک کو روکا جا سکے۔

۳۔ ایک مقام پر چار راستے خیبر کے لئے نکلتے تھے۔ آپ نے چاروں راستوں کے نام معلوم کئے۔ حزن۔ (سخت اور کھردرا) شاش (تفرق و اضطراب والا) حاطب (لکڑہارا) چوتھے کا نام مرحب تھا۔ آپ نے چوتھے راستے کا انتخاب کیا۔ ناموں کے حوالے سے راستوں کی کیفیت کا پتہ چلتا تھا۔ اور آپ نے دشوار گزار راستوں کو پسند نہ فرمایا۔

۴۔ یہود خیبر کو اگرچہ مسلمانوں کے حملہ کی پیشگی اطلاع تھی۔ مگر آپؐ نے ایسا راستہ اختیار کیا اور اس سرعت سے پیش قدمی کی کہ اسلامی لشکر یہود کے اندازوں سے پیشتر خیبر پہنچ گیا اور یہ سب کچھ یہود خیبر کے لئے اس قدر اچانک تھا کہ وہ جنگی منصوبہ بندی نہ کرپائے تھے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے مشترکہ دفاعی پیش بندی نہ کی تھی۔ بلکہ ہر قلعے کی انفرادی حفاظت کی ٹھان لی۔ اور اس طرح یہود اپنی عددی اور سازوسامان حرب کی برتری کا فائدہ نہ اٹھا سکے۔

۵۔ آنحضرتؐ نے حباب بن منذرؓ کے مشورے سے لشکر کے پڑاؤ کی جگہ تبدیل کر دی۔

۶۔ خیبر کے باسیوں میں سے چند جاسوس پکڑے گئے اور انھیں اور ان کے خاندان کو معافی دینے کے وعدہ پر ان سے سودمند معلومات حاصل کی گئیں۔ جو کئی قلعوں کی فتح کا سبب بنیں۔ اور بنو نضیر کے قلعہ قاموس میں چھپائی ہوئی دولت کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی گئیں۔

۷۔ قلعہ ناعم حضرت علیؓ کی کمان میں فتح ہوا۔

۸۔ قلعہ قاموس کا محاصرہ چودہ دن تک رہا۔ پھر قلعہ قاموس کے سردار ابن ابی الحقیق نے بات چیت کی اجازت چاہی۔ تو آپ نے فوراً آمادگی ظاہر کی۔ بات چیت کے ذریعہ طے پایا کہ یہود اس قلعہ کو خالی کر دیں گے۔ اور اپنے تمام اموال مسلمانوں کے حوالے کر دیں گے صرف پہنے ہوئے کپڑے لے جا سکیں گے۔ مگر یہ شرط طے ہو گئی کہ اگر کسی نے مال چھپانے کی کوشش کی تو اس کی جان بخشی کا فیصلہ واپس لے لیا جائے گا۔ بعد ازاں یہ ثابت ہو جانے پر کہ ابوالحقیق کے دو بیٹوں نے مال چھپایا ہے۔ آپؐ نے ان کو طے شدہ شرائط کے مطابق قتل کرا دیا۔

۹۔ آپؐ نے خیبر میں کاشتکاری اور زمین کی دیکھ بھال کے لئے یہود کو ہی مامور کر دیا۔ اور ان سے نصف حصہ بٹائی فصل پر وصول کیا جاتا رہا۔ مگر زمین سے بے دخلی کا فیصلہ مسلمان قوت حاکمہ کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا۔ اور بعد ازاں حضرت عمرؓ نے اسی اختیار کو استعمال کرتے ہوئے یہود کو خیبر سے بے دخل کر دیا۔

۱۰۔ خیبر سے واپسی پر فدک کے یہود نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرتے ہوئے خیبر کی طرح فدک کی نصف پیداوار مسلمانوں کو دینے پر مصالحت کر لی۔ یہ نصف پیداوار خالصتاً رسول اللہؐ کے تصرف میں تھی۔ کیونکہ فدک مسلمانوں کی فوج کشی کے بغیر ہی فتح ہوا تھا۔ اور یہاں سے حاصل ہونے والا مال۔ مال غنیمت کی تعریف میں نہ آتا تھا۔

۱۱۔ واپسی پر وادی القریٰ میں آپؐ کا ایک غلام یہودیوں کے تیروں سے ہلاک ہوا۔ تو دوسرے مسلمانوں کے کہنے پر کہ اسے جنت مبارک ہو آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ اس نے خیبر سے حاصل ہونے والے مال غنیمت سے ایک چادر چرائی تھی۔ جو آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ مسلم امت کے مال میں خیانت کرنا کتنا بڑا گناہ ہے کہ جان دے کر بھی اس کا کفارہ ادا نہیں ہوتا۔

۱۲۔ مدینہ واپسی کے دوران مسلمانوں نے بلند آواز سے اللہ اکبر پڑھنا شروع کیا تو آنحضورؐ نے فرمایا اپنے نفوس کے ساتھ سہولت برتو تم لوگ کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے۔

۱۳۔ وادی القریٰ کے یہودی جنگ کے بعد مطیع ہوئے۔ ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کئے گئے۔ اور ان کو بھی اہل خیبر کی طرح نصف حصہ بٹائی پر زمین کی کاشت کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔

۱۴۔ تیماء کے یہودیوں نے بھی اہل فدک کی طرح لشکر کشی کے بغیر اطاعت قبول کر لی۔ ان کے اموال ان کے پاس رہے۔ اور انہیں زمین کی کاشت نصف حصہ بٹائی پر دے دی گئی۔ تاہم ان کے ساتھ ایک امتیازی سلوک کیا گیا۔ کہ ان کو ایک تحریر دی گئی۔ جس میں ان کو جلاوطن نہ کرنے کا وعدہ درج تھا۔ اور جب حضرت عمرؓ نے یہود کو ان زمینوں سے بے دخل کیا۔ تو تیماء کے یہود اس تحریر کی بدولت بے دخلی سے بچ گئے۔

اس کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں کے تیسرے دشمن بنو غطفان یعنی نجد کے خیمہ زن بدوؤں کی طرف توجہ مبذول فرمائی۔ اور اس کام کے لئے غزوۂ ذات الرقاع کا قصد کیا۔ علاوہ ازیں چند سرایا روانہ کئے اور خود مدینہ میں قیام پذیر رہے۔

عمرۃ القضاء

صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق آنحضرتؐ دو ہزار مسلمانوں کی معیت میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔ شرائط صلح کے مطابق ہتھیار لانے کی پابندی تھی۔ اور ادھر قریش سے بدعہدی کا احتمال بھی۔ لہٰذا اس کا یہ انتظام کیا گیا کہ گھر سے تمام مسلمان مکمل طور پر ہتھیار بند نکلے۔ مگر وادی یاجج میں تمام ہتھیار رکھ دیئے۔ اور ان کی حفاظت پر دو صد مسلمانوں کو مامور کر کے مسلمان مکہ میں اسی طرح داخل ہوئے جو شرائط حدیبیہ میں طے تھا۔ محمد حسین ہیکل کے مطابق آنحضورؐ نے محمد بن مسلمہ کی قیادت میں ایک سو مسلمانوں کا ایک دستہ پہلے روانہ کر دیا تھا۔ جسے حکم تھا کہ مکہ میں داخل نہ ہوں۔ بلکہ مرالظہران کے مقام پر قیام کریں۔ بہرحال یہ طے ہے کہ آنحضرتؐ نے قریش کی بدعہدی کے پیش نظر احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ جو ایک قائد۔ سالار۔ سربراہ مملکت کے لئے ضروری تھیں۔

مسلمان احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہوئے۔ طواف کعبہ کے دوران پہلے تین

چکر سرعت کے ساتھ کسی قدر دوڑ کر طے کئے۔ تاکہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی ہیبت اور رعب و دبدبہ قائم رہے۔

عبداللہ ابن رواحہ جو آنحضرتؐ کی ناقہ کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ نے رزمیہ اشعار پڑھنے شروع کئے تو آپؐ نے فرمایا۔

"اے ابن رواحہ ان اشعار کی بجائے یہ کہو "ایک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی نے اپنے بندے کی نصرت فرمائی۔ اس کے لشکر کو عزت بخشی۔ اور غزوۂ خندق میں عرب فوجوں کو شرمسار کر کے ناکام واپس لوٹایا۔"

حضرت بلالؓ نے کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ نماز ظہر کعبہ کے ضمن میں ادا کی گئی۔ تین دن قیام کے بعد قریش کے اکابر نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اب مسلمان حسب وعدہ مکہ سے چلے جائیں۔ جس پر آنحضرتؐ نے مسلمانوں کو کوچ کا حکم دیا۔ اور اس طرح مسلمانوں نے عمرہ ادا کیا۔ اور صلح حدیبیہ کی شرائط کے مطابق تین دن کے قیام کے بعد مکہ معظمہ سے رخصتی اختیار کی۔

معرکہ موتہ و سلاسل

معرکہ موتہ کے مورخین و سیرت نگار دو اسباب بیان کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ عمرۃ القضاء کے بعد آنحضرتؐ نے موضع ذات طلح میں پندرہ مسلمانوں کو تبلیغ دین کی غرض سے روانہ کیا تھا۔ مگر وہاں کے کافروں نے حضرت کعب بن عمرؓ کے علاوہ تمام مبلغوں کو شہید کر دیا۔ دوسرا یہ کہ شرجیل بن عمرو غسانی عامل بصریٰ نے حضورؐ کے قاصد جناب حارث بن عمیرؓ کو شہید کیا تھا۔ اور حضورؐ نے ان شہیدوں کا بدلہ لینے کی غرض سے ایک لشکر تین ہزار جانبازوں پر مشتمل حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں روانہ کیا۔ موتہ کے معرکہ کے اسباب کچھ بھی ہوں۔ مگر یہ مسلمانوں کا پہلا بین الاقوامی معرکہ تھا۔ اس سے قبل وہ جزیرۃ العرب میں قریش، یہود اور بدوؤں سے برسرپیکار رہے۔ اس معرکہ میں ہرقل کی شامی فوجوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ مگر بعد ازاں معرکہ موتہ ہی غزوۂ تبوک اور پھر شام کی فتح کا پیش خیمہ بنی۔ آنحضرتؐ نے حضرت زید کو کمان سونپتے ہوئے فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں۔ تو حضرت جعفرؓ بن ابی طالب

سالار ہوں گے۔ اور اگر وہ شہید ہو جائیں تو حضرت عبداللہ بن رواح سالار بنیں گے اور اس کے بعد مسلمان جسے چاہیں سالار مقرر کریں۔ حضورؐ کا یہ کہنا ایک قسم کی پیش گوئی تھی کہ یہ تینوں اکابر جام شہادت نوش کریں گے۔ آپ نے لشکر کو روانہ کرتے ہوئے حضرت زیدؓ کو یہ ہدایات بھی دیں۔ "عورتوں۔ نابالغ و کمسن بچوں۔ اندھوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کیا جائے۔ نہ کوئی مکان منہدم کریں۔ اور نہ درخت کاٹیں۔"

موتہ کے مقام پر مسلمان فوج کا مقابلہ ایک لاکھ شامی (بعض روایات میں دو لاکھ) فوج سے ہوا۔ تینوں سالار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور کمان حضرت خالد بن ولید کو ملی۔ آپ نے کمال جنگی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے باقی ماندہ مسلمان فوج کو بچا لیا اور واپس مدینہ کا قصد کیا۔ واپسی پر اہل مدینہ نے اس لشکر اسلام کو مفرورین کا لشکر قرار دیا مگر آنحضرتؐ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا۔ اس معرکہ میں شہید ہونے والوں کے لواحقین کے ساتھ مل کر جناب رسالت مآب بھی روتے رہے اور ان کے دکھ میں شریک ہوئے اور اپنے گم شدہ رفیقوں کے فراق میں آنسو بہا کر رونے کو جائز قرار دیا گیا۔

اس واقعہ کے چند ہفتے گزرنے کے بعد آپؐ نے شام کی سرحد کی طرف ہی ایک اور لشکر حضرت عمرو بن العاص کی قیادت میں تین صد مسلمانوں پر مشتمل روانہ کیا۔ حضرت عمرو بن العاص کو قیادت لشکر سونپنے کا ایک مقصد یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی والدہ یا وادی بالی قبیلہ سے تعلق رکھتی تھیں جو اس علاقے میں آباد تھا۔ حضرت عمرو بن العاص کو ہدایات تھیں کہ وہ اس رشتے کے حوالے سے اطراف کے قبائل سے امداد طلب کرتے جائیں۔ بعد ازاں عمرو بن العاص کے پیغام پر حضرت ابوعبیدہ الجراح کو دو سو کا لشکر دے کر کمک کے لئے روانہ کیا گیا۔ آنحضرتؐ حضرت عمروؓ بن العاص کے مزاج سے آشنا تھے۔ حضرت عمرو حضرت ابوعبیدہ الجراح کے مقابلے میں نومسلم اور کم تجربہ کار تھے۔ آپؐ نے حضرت ابوعبیدہ الجراحؓ کو ہدایات دیں کہ عمرو بن العاص سے اختلاف نہ کیا جائے۔ حضرت ابوعبیدہ الجراح کی کمک کے ساتھ پہنچنے پر حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ میں سالار لشکر ہوں۔ آپ اس لشکر کی کمک لے

کر آئے ہیں لہٰذا آپ کو میرے ماتحت کام کرنا ہو گا حضرت ابوعبیدہ متحمل و بردبار شخص تھے اور آپ کو جناب رسالتمابؐ کی خصوصی ہدایات بھی تھیں۔ لہٰذا آپ نے عمرو بن العاصؓ کی سرداری قبول کی۔ اس لشکر کی آمد پر مخالفین کی جمعیت منتشر ہو گئی اور یہ لشکر مسلمانوں کی اس علاقے میں دھاک بٹھا کر واپس آ گیا۔

فتح مکہ

فتح مکہ تاریخ اسلامی کا وہ درخشندہ باب ہے۔ جس میں جود و کرم۔ جنگی حکمت عملی۔ فہم و فراست۔ حکمت و دانائی اور عفو درگذر کے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ مسلمان ان پر بجاطور پر فخر کر سکتے ہیں۔ جنگ موتہ نے مختلف علاقوں میں مختلف اثرات مرتب کئے۔ عراق اور شام کی سرحدوں پر نجدی قبائل نے اسی معرکہ سے متاثر ہو کر اسلام کی طرف رغبت اختیار کی۔

مدینہ منورہ میں خالد بن ولیدؓ کی فوج کی واپسی کو فرار گردانا گیا۔ اگرچہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا۔ اہل مکہ اور ان کے حلیف قبائل نے اسے مسلمانوں کی شکست اور کمزوری پر محمول کیا۔ اور پھر سے سرکشی کے مرتکب ہوئے۔ واقعہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کی شرط کے مطابق بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے اور ان کے دیرینہ حریف قبیلہ بنوبکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کر لیا۔ موتہ کی پسپائی سے غلط مطلب لیتے ہوئے بنوبکر نے قریش مکہ کے چند نادانوں کے اکسانے پر بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش کے ان نادانوں نے حملہ میں بنوبکر کی اعانت کی۔ بنوبکر کے اس اچانک حملہ سے بنوخزاعہ کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اور بچ جانے والے کچھ افراد نے مکہ میں بدیل بن ورقاء کے گھر پناہ لی۔ بنوخزاعہ کے سردار عمرو بن سالم نے اس واقعہ کی اور قریش کی طرف سے بدعہدی کی اطلاع رسول اللہ صلعم کو مدینہ میں دی اور مدد کا طالب ہوا۔ حضورؐ نے مدد کا وعدہ فرمایا۔ اور آپؐ نے دور و نزدیک کے مسلمانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔ اور اپنی طرف سے دوسرے حکم کے انتظار کا فرما دیا۔

قریش کو اپنے عمل کی وجہ سے اندیشہ لاحق ہوا۔ اور پھر مدینہ منورہ کی سرگرمیوں نے اس اندیشے کو تقویت دی تو ابوسفیان ایک وفد لے کر مدینہ منورہ حاضر

ہوا۔ اس کا منشاء صلح حدیبیہ کو قائم رکھنے کے علاوہ مسلمانوں کی قوت۔ اور ان کے ارادوں سے آگاہی حاصل کرنا بھی تھا۔ اسی اثناء میں بدیل بن ورقا نے بھی حضورؐ کو مکہ سے مدینہ جا کر تمام حالات سے مطلع کر دیا۔

ابوسفیان حضورؐ کے پاس حاضر ہوا۔ معاہدہ صلح کو قائم رکھنے کی استدعا کی۔ مگر آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے بعد وہ ابوبکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؓ کے پاس سفارش کے لئے حاضر ہوا۔ مگر کسی نے امداد کا یقین نہ دلایا۔ تاہم حضرت علیؓ نے اسے مشورہ دیا کہ مسجد نبوی میں اپنی طرف سے صلح کا اعلان کر دے اور واپس چلا جائے یہ صورت صلح کی انتہائی کمزور کوشش تھی۔ جس پر بعد میں قریش نے ابوسفیان کا مذاق بھی اڑایا۔ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا اور مسجد نبوی میں اعلان کر کے رخصت ہوا۔ صلح کی اس انداز کی کوشش سے یہ بات عیاں ہو گئی کہ قریش اب جنگ کی حالت میں نہ ہیں۔ ان کے سردار کے اس انداز نے قریش کی اندرونی کمزوری کو عیاں کر دیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ نے قریش کو مزید موقع دینے کی بجائے مسلمانوں کو کوچ کا حکم دیا اور یہ تیاری اور کوچ انتہائی راز میں رکھے گئے۔ اور اصل منزل کا پتہ آنحضرتؐ نے کسی کو نہ دیا۔ تاہم بعض لوگوں نے اندازے سے اسلامی لشکر کا رخ متعین کرنے کی کوشش کی۔ حاطب بن ابی بلتعہ نے قریش مکہ کو اطلاع دینے کی کوشش کی۔ ان کا خط پکڑا گیا۔ مگر آپؐ نے حاطب کو معاف فرما دیا کہ وہ بدری صحابہ میں سے تھے۔

اسلامی لشکر نے مرالظہران کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اسلامی لشکر کی تعداد دس ہزار تھی۔ مگر آپؐ نے ہر شخص کو رات کے وقت الاؤ جلانے کا حکم دیا۔ اس سے قبل یہ طریقہ تھا کہ پانچ سات مجاہد مل کر الاؤ روشن کرتے تھے۔ مگر اس رات ہر لشکری کو الگ سے الاؤ جلانے کا حکم دیا گیا۔ اس سے دشمن کو لشکر کی تعداد سے مرعوب کرنا مقصود تھا۔ آنحضرتؐ کا منشاء یہ تھا کہ ہر قیمت پر مکہ جنگ و جدل کے بغیر فتح ہو۔ اور آپ اسی وجہ سے نفسیاتی حربوں سے کام لینا چاہتے تھے۔

حضرت عباسؓ بھی مکہ سے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ کو قریش کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تاکہ وہ قریش مکہ کو مسلمانوں کی قوت

سے مرعوب کریں۔ اور مکہ کی فتح کا بلاجنگ و جدل انتظام کر دیں۔ حضرت عباس مکہ کو جا رہے تھے کہ راستے میں ابوسفیان دو ساتھیوں کے ساتھ آتا ہوا ملا۔ حضرت عباس ابوسفیان کو لے کر خدمت رسول اللہ میں حاضر ہوئے۔ اثناء واپسی حضرت عباس نے ابوسفیان کو لشکر اسلام کے درمیان سے گزارا۔ اور لشکر کی کثرت کی دھاک ابوسفیان کے دل پر بٹھا دی۔ ابوسفیان خدمت رسول اللہ میں حاضر ہوئے۔ اور آپؐ کی دعوت پر اور حضرت عباس کی ترغیب پر اسلام لے آئے۔ حضرت عباسؓ کے مشورہ پر جناب رسالتمابؐ نے فرمایا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔ جو شخص اپنے ہی گھر کا دروازہ بند کر کے اندر چھپ جائے گا۔ یا جو بیت اللہ میں داخل ہو جائے گا اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔ یہ گویا پہلا اسلامی کرفیو تھا۔

اسلامی لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ابوسفیانؓ کو ایک مقام پر کھڑا کیا گیا۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے اسلامی لشکر کا ملاحظہ کر کے قریش کو بتا سکیں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ابوسفیان ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر قریش کو مخاطب ہوئے۔

"اے قریش محمدؐ ایسا لشکر جرار لے کر آئے ہیں جس کا تم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے۔ جو اپنے گھر کے دروازے بند کر لے جو بیت اللہ میں پناہ لے لے ان کے لئے معافی ہے" آنحضرتؐ نے یہ کیفیت دیکھی تو سجدہ شکر بجا لائے کہ مسلمانوں پر پے در پے حملے کرنے والے دشمن آج اپنے ہی گھر میں مغلوب ہیں اور مقابلے کی تاب نہیں رکھتے۔

لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر کے آپؐ نے ہر حصہ کے سالار کو حکم دیا کہ کسی پر حملہ نہ کیا جائے اور کسی قسم کی خونریزی نہ کی جائے۔ صرف حملہ کی صورت میں اپنا دفاع کیا جائے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا کہ آج گھمسان کا رن پڑے گا۔ اور کعبہ کی حرمت بھی بالائے طاق رکھ دی جائے گی۔ اس پر ابوسفیان نے رسول اللہؐ کی توجہ مبذول فرمائی تو آپؐ نے علم حضرت سعد سے لے لیا۔ مگر کمال دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ علم ان کے فرزند قیس کو دے دیا۔

اہل مکہ کے کچھ کینہ پرور جوانوں نے مسلمانوں کے ایک دستے پر جس کی قیادت

خالد بن ولید کر رہے تھے حملہ کر دیا۔ مگر جوابی حملہ کی تاب نہ لا کر بھاگ نکلے۔ آنحضرتؐ نے اس خون خرابے پر رنج و غم کا اظہار فرمایا۔ مگر اسے بھی مشیت، ایزدی قرار دے کر اطمینان کا اظہار کیا۔

آپ بیت اللہ میں تشریف لے گئے۔ عثمان بن طلحہ سے بیت اللہ کی چابیاں لے کر دروازہ کھلوایا۔ صحن بیت اللہ میں قریش جمع تھے۔ آپؐ نے خطاب فرما کر عفو و احسان کی وہ مثال قائم کی جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ آپؐ نے قریش سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ "ذات واحد کے سوا کوئی قابل پرستش نہیں۔ آج اس نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا جو اپنے بندے کو ظفریاب کیا اور دوسرے گروہوں کو شکست دلوائی۔ ہاں سنو۔ آج سے قبل از اسلام کے تمام مالی اور فوجداری مطالبات کے دعاوی ناقابل سماعت ہونے کی وجہ سے میرے پیروں تلے روند کر رکھ دیئے ماسوائے بیت اللہ کی کلید برداری اور حاجیوں کے لئے پانی فراہم کرنے کی خدمت کے۔ ہاں آج قتل خطا کی دیت بھی قتل شبہ عمد کے مساوی ہو گی۔ یا معشر قریش آج سے اللہ نے جاہلیت کی نخوت اور برتری ختم کر دی۔ حسب و نسب کا غرور رخصت کر دیا۔ سنو ! ہر انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم کو مٹی سے خلق کیا گیا۔" آخیر میں آپؐ نے قرآن حکیم کی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "لوگو ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔ اللہ کے نزدیک صاحب شرف و جد وہ ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا باخبر ہے۔"

فتح مکہ کے بارے میں محمد حسین ہیکل کی رائے

"اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فتح مکہ جیسی اہم ترین کامیابی جو کسی خونریزی یا مقابلہ کے بغیر وقوع میں آئی تاریخ کے ان اہم ترین حوادث میں سے ہے جن سے حضرت محمدؐ کی کمال مہارت اور زیرکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔"

بیت اللہ میں کاروائی

بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہو کر تصاویر اور بتوں سے بیت اللہ کو پاک کروایا۔ حضرت بلالؓ نے سقف کعبہ پر کھڑے ہو کر اذان دی۔ انصار نے خدشہ ظاہر کیا کہ اب آنحضرتؐ مکہ میں ہی قیام پذیر نہ ہو جائیں۔ اس پر آپؐ نے یہ کہہ کر کہ میرا مرنا اور میرا جینا تمہارے ساتھ ہے تردید کر دی اور انصار کا خدشہ رفع ہو گیا۔

چند بدبخت ایسے تھے جن کے اپنے کرتوتوں کی بناء پر ان کو عام معافی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔ ان کی تعداد سترہ تھی۔ مگر بعد ازاں ان میں سے صرف چار کیفر کردار کو پہنچے جبکہ باقی بعد ازاں خصوصی معافی نامہ حاصل کر کے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

فتح کے دوسرے روز مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنو خزاعہ نے قبیلہ بدیل کے ایک مشرک کو سابقہ دشمنی کی بدولت قتل کر دیا۔ حضورؐ کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں فتح مکہ کے وقت ہونے والی لڑائی سے آنے والی نسلیں یہ خیال نہ کر لیں کہ حدود حرم میں قتل روا ہو گیا ہے۔ یہ خطبہ ارشاد فرمایا۔

"دوستو۔ اللہ نے ازل سے مکہ کی حرمت قائم کر دی۔ اور تا بہ قیامت بحال رکھی۔ جو شخص خداوند عالم اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے مکہ کی حدود میں کسی کو قتل نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ یہاں کا درخت تک نہ کاٹنا چاہئے۔ مجھ سے قبل اور میرے بعد کسی کے لئے مکہ کی یہ حرمت ختم کرنا حلال نہیں اور میرے لئے بھی ایک ہی ساعت کے لئے روا ہوئی۔ وہ بھی اہل مکہ نے خود پر خدا کو ناراض کر دیا۔ تو فقط اس برہمی کی بناء پر اور اتنی ہی دیر کے لئے جس کے بعد یہ حرمت پہلے ہی کی مانند پھر لوٹ آئی۔ دوستو جو لوگ یہاں موجود نہیں انہیں بھی یہ مسائل بتا دیجئے۔ خیال رہے اگر کوئی شخص کہے کہ رسول اللہ نے حرم مکہ کی حدود میں جنگ کی تو جواب میں کہنا یہ تو اللہ نے صرف اپنے رسول کے لئے حلال کیا تھا مگر تمہارے لئے یہ اجازت نہیں۔"

اور اے دوستان خزاعہ قتال سے ہاتھ روک لو۔ اگرچہ تمہارے لئے اس میں کوئی منفعت ہی سہی۔ میں یہی فیصلہ کرتا ہوں۔ کہ تمہارے ہاتھ سے جو شخص قتل

ہوا ہے اس کے عوض میں اپنی طرف سے خون بہا دیئے دیتا ہوں۔ لیکن آئندہ کے لئے مقتول کے وارثوں کو اختیار دیتا ہوں کہ وہ خون بہا لیں یا قصاص"

ایک اور مقام پر اہل مکہ سے یوں خطاب کیا "تم لوگ دنیا جہان کی بہتر جماعت سے ہو۔ مجھے تم سے بے حد محبت ہے۔ میں تمہیں چھوڑ کر مدینہ نہ جاتا اور کسی کو تمہارے ہم پلہ نہ ٹھہراتا مگر کیا کروں تم ہی نے تو مجھے جلاوطن کیا"

اس انداز خطابت پر اہل مکہ آپؐ کے گرویدہ ہو گئے۔ اور جوق درجوق حاضر ہو کر بیعت کرنے لگے۔ آپؐ نے پندرہ یوم تک مکہ میں قیام کیا۔ حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں قبیلہ بنوخزیمہ کے متعدد بے گناہ مسلمانوں کے قتل کی خبر آپؐ تک پہنچی تو آپ انتہائی رنجیدہ ہوئے اور فرمایا۔

"یا اللہ میں خالد کی اس کرتوت سے بری الذمہ ہوں" پھر حضرت علیؓ کو بہت سا مال و زر دے کر اس قبیلہ کی طرف روانہ کیا کہ وہ بے گناہ مقتولین کے لواحقین میں تقسیم کریں۔

کلید کعبہ اور فرائض سقایت الحجاج حسب سابق عثمان بن طلحہ اور حضرت عباسؓ کو سونپے۔

غزوہ ہوازن و طائف

مکہ کی فتح کی خبر گردوپیش میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ قبیلہ ہوازن اور ان کے حلیف قبائل نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ مسلمان قریش سے نمٹ کر ان کا رخ کریں گے۔ اور انہیں اپنا مطیع بنا کر دم لیں گے۔ لہٰذا انہوں نے اس خطرہ کے پیش نظر پہل کرنے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ مالک بن عوف جواں سال' باہمت اور جری انسان تھا۔ اس نے اپنے جنگجوؤں کو جمع کر کے حنین کی چوٹی پر تعینات کر دیا کہ جب مسلمان اس تنگ درے سے گزریں ▪ ان پر تیروں کی بارش کر دیں۔ مسلمانوں نے اس اجتماع کی خبر پا کر قبیلہ ہوازن پر حملہ کی ٹھان لی۔ بارہ ہزار کا لشکر حضورؐ کے ہمرکاب تھا۔ اور ساز و سامان سے لیس۔ اکثر مسلمانوں کو اس کثرت پر ناز ہونے لگا۔ اور اپنی قوت کے بل بوتے پر وہ یہ کہتے سنے گئے کہ آج کون ہمارا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اسلامی لشکر نے رات حنین کے قریب پڑاؤ کیا۔ دوسرے روز علی الصبح روانہ ہوئے۔ جونہی حنین کی گھاٹی میں پہنچے ادھر سے مالک بن عوف کے تیر اندازوں نے ایسا حملہ کیا کہ اُس اچانک حملے کی تاب نہ لا کر مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی۔ یہاں آنحضرتؐ کی پامردی اور ثبات قابل دید تھا۔ آپ مسلمانوں کو واپسی کے لئے بلا رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے۔ مسلمانو میں اللہ کا رسول ہوں۔ کاذب نہیں ہوں۔ میں عبدالمطلب کا فرزند ہوں۔ مسلمانوں کے فرار نے یہ صورت اختیار کی کہ ابوسفیان یہ کہنے لگے کہ مسلمانوں کے فرار سے یوں معلوم ہوتا ہے یہ سمندر سے پہلے رکیں گے نہیں۔ پھر حضورؐ کے بلانے پر مسلمان لوٹنا شروع ہوئے۔ حضورؐ نے مسلمانوں کو جانفروشی کی دعوت دی۔ اور حضرت عباسؓ سے کنکریاں لے کر دشمنوں کی طرف پھینکیں۔ مسلمان جم کر لڑے۔ اور ہوازن کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کا سالار مالک بن عوف اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو کر طائف میں جا چھپا۔ مسلمانوں نے بعد ازاں طائف کا محاصرہ کیا۔ مگر ذیقعد کے شروع ہونے کی بناء پر محاصرہ اٹھا لیا۔ اور ہوازن سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کو تقسیم کر دیا۔

اس تقسیم کے بعد ہوازن کا ایک وفد اپنے اموال اور بال بچے واپس حاصل کرنے کیلئے عرض گزار ہوا۔ حضورؐ کی رضاعی بہن شیماء بنت حارث بھی اسیروں میں

تھیں۔ آپؐ کے پاس تشریف لائیں تو آپ ان سے نہایت احترام سے پیش آئے اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کر دیا۔ وفد ہوازن کی استدعا پر جناب رسول اللہ نے خمس اور بنوعبدالمطلب کے حصے کے مردوزن۔ ہوازن کو واپس کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ مگر جو مال ، اسباب اور ہوازن کے بال بچے آپ دوسرے مسلمانوں میں تقسیم کر چکے تھے ان کی واپسی کے لئے آپ نے وفد کے ارکان سے کہا کہ نماز ظہر کے بعد آپ دیگر مسلمانوں کی موجودگی میں ان الفاظ میں استدعا کیجئے گا۔

"اے صاحبو ہم لوگ رسول اللہ کے توسل سے آپ لوگوں سے ملتجی ہیں۔ اور آپ حضرات کے وسیلہ سے آنحضرتؐ کی خدمت میں مستدعی ہیں کہ ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس فرما دیجئے۔"

آپؐ نے مزید فرمایا کہ اس وقت میں اپنا اور بنوعبدالمطلب کا حصہ لوٹا دوں گا اور مسلمانوں سے واپسی کی استدعا کروں گا۔"

قارئین کرام ! یہ حکمت رسول اللہ تھی۔ کہ آپ واپسی چاہتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کو حکم دیتے تو کوئی تعمیل سے گریز نہ کرتا۔ مگر مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے واضح حکم سے گریز کیا۔ اور ایک احسن ترکیب کے ذریعے کام نکالنے کو ترجیح دی۔ وفد ہوازن نے ایسا ہی کیا۔ اور جناب رسول اللہ نے ان کی استدعا پر فرمایا۔ مسلمانو میں اپنا اور بنو عبدالمطلب کا حصہ واپس کرتا ہوں۔ مسلمانوں نے یک زبان ہو کر کہا۔ حضورؐ آپ ہمارے حصے کے بھی مختار ہیں۔ اس طرح ہوازن کے بال بچے واپس ہو گئے۔ مگر بال بچوں یا اموال کی واپسی میں سے ان کو ایک کا انتخاب کرنے کا حق دیا گیا تھا۔ جو انہوں نے بال بچوں کی واپسی کو ترجیح دی۔ مالک بن عوف جو طائف میں محصور تھا کے بارے میں حضورؐ نے اعلان کرا دیا کہ اگر مالک بن عوف خود مطیع ہو کر آ جائے تو اس کے بال بچے۔ مال۔ اسباب کے علاوہ ایک سو شتر اسے دیئے جائیں گے۔ مالک بن عوف نے یہ مژدہ سنا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ اسلام قبول کیا۔ اور حسب فرمان انعام بھی حاصل کیا۔

آنحضرتؐ نے تالیف قلوب کی خاطر رؤساء قریش کو اموال غنیمت میں سے بیشتر حصہ دیا۔ اس پر انصار میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ حضرت سعد بن عبادہؓ نے انصار

کے خیالات سے رسول اللہؐ کو آگاہ کیا۔ اور رسول اللہ کے استفسار پر حضرت سعدؓ نے اپنی قوم سے ہم خیال ہونے کا اظہار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ اپنی قوم کو یعنی انصار کو جمع کرو۔ حضرت سعدؓ نے انصار کو جمع کیا۔ کچھ مہاجر بھی آ گئے۔ مگر دیگر لوگوں یعنی قریش وغیرہ کو واپس کر دیا گیا۔ حضرت سعدؓ نے حضورؐ کو اطلاع دی کہ انصار جمع ہو چکے ہیں۔ تو حضورؐ نے انصار کے سامنے ایک انتہائی بلیغ' جامع' مختصر خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں خطابت کے۔ انسانی نفسیات کے ادارک کے ▪ اشارے ملتے ہیں کہ جن سے حضرت محمدؐ کی دانشمندی۔ معاملہ فہمی۔ ناَمساعد حالات میں زورِ خطابت سے عوام کے اذہان کو Capture کرنے کی صلاحیت بدرجہ اتم عیاں ہوتی ہے۔ آپؐ نے خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

"اے انصار۔ میرے علم میں تمہارے متعلق کیسی باتیں آئی ہیں اور یہ دل ہی دل میں تم نے کیا ناراضگی مجھ پر محسوس کی ہے۔ کیا یہ درست نہیں کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے۔ اللہ نے تمہیں ہدایت دی۔ تم محتاج تھے۔ اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا۔ تم باہم دشمن تھے اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیئے۔ لوگوں نے کہا بے شک اللہ اور اس کے رسول کا فضل ہے۔"

اس کے بعد آپ نے تقریر کو دوسرا رخ دیا۔ ملاحظہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا۔

"اے انصار جواب دو۔ مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔" انصار نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ ہم بھلا آپ کو کیا جواب دیں۔ آپؐ نے فرمایا۔

"دیکھو خدا کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو۔ اور یہ بات سچ ہی ہے۔ کہ آپؐ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپؐ کو جھٹلایا گیا تھا۔ ہم نے آپؐ کی تصدیق کی۔ آپؐ کو بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا تھا۔ ہم نے آپؐ کی مدد کی۔ آپ کو دھتکار دیا گیا تھا۔ ہم نے آپؐ کو ٹھکانا دیا۔ آپؐ محتاج تھے۔ ہم نے آپؐ کی غمخواری و غمگساری کی۔"

اب آپؐ نے تقریر کو تیسرا رخ دیا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ تقریر کے یہ اتار چڑھاؤ عظیم سے عظیم مقرر کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہ خطاب آپؐ کے چند عظیم خطبوں میں سے ایک ہے۔

آپ نے سلسلہ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔ "اے انصار تم دنیا کی حقیر چیزوں کے لئے مجھ سے ناراض ہو گئے۔ جس کے ذریعہ میں نے لوگوں کے دل جوڑے تھے تاکہ ▪ مسلمان ہو جائیں۔ اور تمہیں تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا۔ اے انصار کیا تم اس پر راضی نہین کہ جب قریش مکہ اونٹ اور بکریاں لے کر جا رہے ہوں۔ تم خدا کے رسول کو ساتھ لے کر جاؤ۔ اے انصار اگر سارے لوگ ایک راہ پر چلیں اور انصار دوسری راہ پر تو میں انصار ہی کے ساتھ چلوں گا۔ اے اللہ انصار پر رحم فرما۔ انصار کے بیٹوں اور بیٹوں کے بیٹوں پر بھی۔"

آپؐ کے اس خطاب کے بعد شکوک و شبہات کے بادل چھٹ گئے۔ اور رونے کی وجہ سے انصار کے دل ہلکے ہو گئے۔

واپسی پر جناب رسالتمابؐ نے عمرہ ادا کیا۔ اور پھر عتاب میں اسید کو مکہ کا نائب مقرر کر کے آپؐ نے مدینہ کا رخ کیا۔

مکہ سے واپس مدینہ پہنچ کر آنحضرتؐ نے مسلمان قبائل سے صدقات و زکوٰۃ کی وصولی کے لئے تحصیلداران مقرر فرمائے۔ اور مختلف سرایا اور فوجی مہمات روانہ کیں۔

غزوۂ تبوک

حضرت رسالتماب کا آخری غزوہ جو جنگی لحاظ سے غیر اہم۔ مگر سیاسی لحاظ سے بہت اہم ثابت ہوا۔ معرکہ موتہ اور اس کے اسباب کا بدلہ چکانے کی غرض سے اور روم کی سلطنت پر مسلمانوں کی فوجی قوت کی دھاک بٹھانے اور شام ▪ دمشق کی سمت قبائل عرب کو اسلامی قوت کا مطیع بنانے کے لئے آپؐ نے ۹ ھ کے اوائل میں تیس ہزار کا لشکر تیار کیا۔ آپؐ کو اطلاعات موصول ہو رہی تھیں کہ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ کے پیش نظر ہرقل رومی اسلامی ریاست کو ختم کرنے کے لئے فوج کشی کرنا چاہتا ہے۔ آپؐ نے یہ مناسب سمجھا کہ رومی فوج کو مدینہ میں داخل ہونے سے روکا جائے اور اس کا مقابلہ اسی کی سرزمین میں کیا جائے۔ دراصل آپؐ حملہ میں پہل کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ حملہ آور کو ایک نفسیاتی برتری حاصل رہتی ہے۔ منافقین

نے مخالفت کی۔ اور ان کا خبث باطن ظاہر ہوا۔ رومی فوج مسلمانوں کی آمد کی اطلاع پا کر منتشر ہو گئی۔ مگر ان کے اس طرح مقابلے سے ہٹ جانے کی بدولت بہت سے سرحدی سرداروں نے نہ صرف اطاعت قبول کر لی۔ بلکہ بہت سے سرحدی قبائل مسلمانوں کے حلیف بن گئے۔ اور ان کا یہ احساس پختہ ہو گیا کہ اب اس علاقے میں مدینہ کی اسلامی ریاست ہی اصل قوت ہے۔ یہ معرکہ رومی سلطنت کی گرتی ہوئی دیوار کے لئے آخری دھکا ثابت ہوا۔

اس غزوہ سے واپسی پر آپؐ نے مسجد ضرار گرانے اور جلانے کا حکم دیا۔ اور منافقین سے سخت رویہ اختیار کیا۔ اس کے باوجود جب دو ماہ کے بعد عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو آپ نے اس کے پسر حضرت عبداللہ کے کہنے پر نہ صرف اس کی نماز جنازہ پڑھائی بلکہ اس کی تدفین تک اس کی قبر پر موجود رہے۔

وفات ابراہیمؓ رضی اللہ عنہ

جناب رسالتمابؐ کے پسر حضرت ابراہیم سولہ یا اٹھارہ ماہ کے ہو چکے تھے۔ آنحضرتؐ ان کو دیکھ کر قلبی مسرت محسوس کرتے تھے۔ اور اکثر ان کو اپنی گود میں لیتے۔ مگر مشیت ایزدی کچھ اور ہی تھی۔ صاحبزادے ایسے علیل ہوئے کہ بیماری سے جانبر نہ ہو سکے۔ رسول اللہ کی گود میں جانکنی کے عالم میں تھے تو رسول اللہ نے فرمایا۔ "ابراہیم میں قضاء الٰہی کو تجھ سے روک نہیں سکتا۔" صاحبزادے ابراہیمؓ وفات پا گئے تو جناب نبی اکرمؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے "اے ابراہیمؓ اگر موت برحق نہ ہوتی اور خدا کا وعدہ سچا نہ ہوتا تو ہم تمہاری موت پر زیادہ بے قرار ہوتے لیکن مرنے والوں کی ملاقات کے لئے ہمیں بھی ایک نہ ایک دن ان کے پاس پہنچنا ہی ہے۔"

آپؐ کو روتا دیکھ کر اصحاب نے عرض کی یارسول اللہ گریہ و ملال سے تو آپ دوسروں کو منع فرماتے ہیں۔ اس پر آپ گویا ہوئے۔ "میں نے حزن و غم سے کسی کو نہیں روکا۔ بین و نوحہ سے منع کیا ہے۔ میرے حزن و غم کا سبب محبت قلبی اور

شفقت پدری ہے۔ جو شخص دوسروں پر شفقت و رحمت نہیں کرتا وہ بھی اوروں کی مہربانی و لطف سے محروم رہ جاتا ہے۔"

صاحبزادے کی قبر کو درست کرتے ہوئے فرمایا۔ "قبر کی ساخت پر میت کے نفع و ضرر کا مدار نہیں۔ اس سے زندوں کو تسکین سی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ ایسے شخص کا دوست دار ہے جو کسی شے کو ادھورا نہ چھوڑے۔"

صاحبزادے کی وفات کے بعد سورج گرہن ہوا تو بعض مسلمانوں نے اسے حضورؐ کے معجزہ سے تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ اس پر آپؐ نے مسلمانوں کے مجمع میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "یہ سورج اور چاند بھی ہستی باری تعالیٰ کے دلائل میں سے دو ثبوت ہیں۔ انہیں کسی کی موت یا زندگی پر گرہن کیوں لگنے لگا۔ البتہ گرہن کے موقع پر اے مسلمانو ادائے نماز سے اللہ کی یاد تازہ کیا کرو۔"

امیر حج حضرت ابوبکر صدیقؓ رضی اللہ عنہ - ۹ھ

حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جناب رسالتمابؐ نے امیر حج بنا کر روانہ کیا بعد ازاں سورۃ براۃ کی متعلقہ آیات نازل ہوئیں تو رسول اللہؐ نے حضرت علی کو اعلان براۃ کے لئے روانہ کیا۔ حضرت علیؓ ایسے حال میں حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملے کہ لوگ عرفات کی طرف جا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے دریافت فرمایا امیر ہو یا مامور۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں مامور ہوں۔ عرب میں یہ دستور تھا کہ عہد و پیمان کے بارے میں خاندان کے ہی کسی فرد کو مامور کیا جاتا تھا۔ لہٰذا حضرت علیؓ کا انتخاب کیا گیا۔ مناسک حج کے ادا ہو جانے کے بعد منیٰ میں جمرہ کے پاس حضرت علیؓ نے سورۃ براۃ کی آیات تلاوت کیں۔ اور سابقہ معاہدوں کی تنسیخ کر دی۔ اس کے بعد پانچ امور کا مزید اعلان کیا۔

۱۔ جنت کافر کے لئے نہیں ہے۔ ۲۔ آج کے بعد مشرک بیت اللہ کا حج نہیں کر سکتا۔ ۳۔ کوئی شخص برہنہ ہو کر طواف کعبہ نہیں کر سکتا۔ ۴۔ جس شخص کے لئے رسول اللہ کا جس مدت تک کے لئے وعدہ اماں ہے اس کے لئے معاہدہ کی پابندی کی جائیگی۔ ۵۔ آج کے بعد چار مہینہ کی مہلت ہے۔

دراصل یوم عرفہ ۹ ھ دولت اسلامیہ کی تاسیس کا دن ہے۔ ملت اسلامیہ کا شان و شوکت کے ساتھ کفار۔ مشرکین سے الگ تھلگ تشخص قائم کیا گیا۔ تاکہ ایک عقیدہ میں منسلک اپنے عقیدہ کے تحفظ کے لئے بنیان مرصوص بن کر ابھریں۔

"عام الوفود"

۹ ھ کو عام الوفود کہا جاتا ہے کہ اس سال اکثر وفود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان وفود کی تعداد ستر کے لگ بھگ ہے مگر میں یہاں صرف ان وفود کا تذکرہ کروں گا جن کی بازیابی۔ مدارات اور گفتگو سے حکمت و دانش نبویؐ کا واضح اظہار ہوتا ہو۔

ا۔ وفد عبدالقیس۔

اس وفد کے سردار الاشج العصری کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا تھا۔ کہ تم میں دو ایسی خصلتیں پائی جاتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بہت پسند کرتا ہے۔ یہ دونوں خصلتیں دور اندیشی اور بردباری ہیں۔

۲۔ وفد دوس۔

اس وفد کے سردار حضرت طفیل بن عمرو دوسی تھے۔ اپنی قوم سے ایسے مایوس ہوئے کہ ان کے لئے بددعا کی استدعا کی۔ آنحضرتؐ نے دعا فرمائی۔ اے اللہ دوس کو ہدایت دے۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ اور قبیلہ کے لوگ مسلمان ہو گئے۔

۳۔ وفد صداء۔

قبیلہ صداء کی طرف سے مخالفت کی اطلاع ملنے پر رسول اللہؐ نے چار سو مسلمانوں پر مشتمل ایک لشکر ان کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ابھی یہ لشکر راستے میں ہی تھا کہ زیاد بن حارث صدائی کو اطلاع ملی۔ تو خود خدمت رسول اللہؐ میں حاضر ہوئے۔ اور اپنے قبیلہ کے لئے امان کے طالب ہو کر لشکر کی واپسی کے لئے متدعی

ہوئے۔ آنحضرتؐ نے ان کی درخواست قبول فرما لی۔ لشکر واپس بلا لیا۔ بعد ازاں یہ قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

۴۔ کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کی آمد۔

کعب بن زہیر ان سترہ اشخاص میں سے تھے۔ جو فتح مکہ کے موقع پر عام معافی میں شامل نہ تھے۔ بلکہ جن کے بارے میں حکم تھا کہ وہ اگر خانہ کعبہ کے غلاف میں بھی چھپیں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔ کعب بن زہیر اپنی جان بچانے کی غرض سے مدینہ حاضر ہوئے۔ صبح کی نماز کے بعد اپنا ہاتھ حضورؐ کے ہاتھ میں دے کر کہا۔ اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر توبہ کر کے مسلمان ہو گیا ہے۔ اور آپؐ سے سلامتی کا خواستگار بن کر حاضر ہوا ہے۔ اگر میں اسے آپ کی خدمت میں حاضر کر دوں تو کیا آپؐ اس کے اسلام کو قبول کر کے اسے امان دے دیں گے۔ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا۔ تو اس نے کہا میں ہی کعب بن زہیر ہوں۔ اس پر ایک انصاری نے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو رسول اللہؐ نے فرمایا چھوڑ دو یہ شخص تائب ہو کر اور سابقہ اعمال سے دستکش ہو کر آیا ہے۔

۵۔ وفد بلی

اس وفد کے رئیس ابو الضبیب کے دریافت کرنے پر آپؐ نے فرمایا۔ ضیافت کی مدت تین دن ہے۔ اور ضیافت میں کسی مالدار یا فقیر کے ساتھ جو بھی سلوک کرو گے وہ صدقہ ہو گا۔ اس نے مزید دریافت کیا کہ کسی لاپتہ شخص کی گمشدہ بھیڑ یا بکری مل جائے تو کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا یہ تمہارے لئے ہے۔ یا تمہارے بھائی کے لئے یا پھر بھیڑیئے کے لئے۔ مگر جب اس نے یہی سوال گمشدہ اونٹ کے بارے میں کیا تو آپ کا جواب تھا۔ اونٹ کو اس کی حالت پر چھوڑ دو یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پا جائے۔

۶۔ وفد لمی

اس وفد میں عرب کے مشہور شہسوار زید الخیل بھی تھے۔ جن کے اسلام لانے کے بعد آپؐ نے ان کا نام زید الخیر رکھ دیا۔ ان کے بارے میں آپؐ نے فرمایا "مجھ سے عرب کے جس شخص کی تعریف کی گئی جب وہ مجھ سے ملا تو میں نے اسے اس کی شہرت سے کم تر پایا۔ مگر اس کے برعکس زید الخیل کی شہرت اس کی خوبیوں سے کم تر تھی"

۷۔ وفد بنی عامر بن صعصعہ

یہ وفد چند شرپسندوں پر مشتمل تھا۔ اس وفد میں شامل عامر نے ستر صحابہ کو شہید کرایا تھا۔ بخاری کی روایت کے مطابق عامر نے رسول اللہؐ سے مخاطب ہو کر کہا میں آپؐ کو تین باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیتا ہوں۔

۱۔ آپؐ کے لئے وادی کے باشندے ہوں اور میرے لئے آبادی کے۔
۲۔ میں آپؐ کے بعد آپؐ کا خلیفہ بنایا جاؤں۔
۳۔ ورنہ میں غطفان کے ایک ہزار گھوڑوں اور ایک ہزار گھوڑیوں کے ساتھ آپؐ پر حملہ کروا دوں گا۔

آپؐ نے اس کے اور اس کے ساتھی اربد کے حق میں بددعا کی۔ اور واپسی پر یہ دونوں راستے ہی میں ہلاک ہو گئے۔

۸۔ وفد بنی حنیفہ

اس وفد کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس میں مسیلمہ کذاب شامل تھا۔ اور آپؐ کے ساتھ مسیلمہ کے مکالمے سے اہل اسلام کو جھوٹے مدعیان نبوت کے فتنے کے بعض پہلو واضح ہوئے۔ شرکاء وفد ماسوائے مسیلمہ کذاب کے اسلام لے آئے۔ روایت ہے کہ مسیلمہ سے آپؐ کی ملاقات ہوئی تو مسیلمہ نے کہا کہ اگر آپؐ چاہیں تو ہم حکومت کے معاملے میں آپؐ کو آزاد چھوڑ دیں۔ لیکن اپنے بعد حکومت ہمیں سونپنے کا اعلان کر دیں۔ آپؐ کے ہاتھ میں کھجور کی ایک ٹوٹی ہوئی شاخ تھی۔ آپؐ نے

مسیلمہ سے کہا کہ اگر تم یہ شاخ بھی مجھ سے طلب کرو تو میں تمہیں نہ دوں۔ اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کئے ہوئے فیصلے سے آگے نہیں جا سکتے۔ اور اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کے رکھ دے گا۔

مسیلمہ نے واپس اپنی قوم میں جا کر اپنی نبوت کا اعلان کر دیا۔ اور کچھ عرصہ کے لئے اپنی قوم کو بہکایا۔ اور حضورؐ کو خط تحریر کیا۔ "مجھے اس کام میں آپ کے ساتھ شریک کر دیا گیا ہے۔ نصف حکومت ہمارے لئے ہے اور نصف قریش کے لئے۔ آپؐ نے اس خط کا جواب ارسال کرتے ہوئے تحریر کرایا۔ "زمین اللہ کی ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے۔ اور انجام متقیوں کے لئے دو قاصد جو مسیلمہ کا خط لائے تھے کے بارے میں آپؐ نے فرمایا اگر قاصد کو قتل کرنا روا ہوتا تو میں مسیلمہ کے دونوں قاصدوں کو قتل کرا دیتا۔

۹۔ وفد نجران۔

یہ عیسائی وفد تھا۔ اس کے اراکین آپؐ کے ساتھ سوال جواب سے مطمئن نہ ہوئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآنی آیات سن کر بھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تو رسول اللہؐ نے انہیں مباہلے کی دعوت دی۔ مگر مباہلے سے انکاری ہوئے۔ اور اطاعت قبول کرنے پر آمادہ۔ لہٰذا انہیں جزیہ کی ادائیگی پر اپنے دین کی آزادی اور اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ عطا فرمایا۔

۱۰۔ وفد بنی فزارہ

اس وفد کے شرکاء نے علاقے کی قحط سالی کی شکایت کی۔ تو رسول اللہؐ منبر پر تشریف لے گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر بارش کی دعا ان الفاظ میں کی۔

"اے اللہ اپنے ملک اور اپنے چوپایوں کو سیراب کر۔ اپنی رحمت پھیلا۔ اپنے مردہ شہر کو زندہ کر۔ اے اللہ ہم پر ایسی بارش برسا جو ہماری فریاد رسی کر دے۔ راحت پہنچا دے۔ خوشگوار ہو۔ پھیلی ہوئی ہمہ گیر ہو۔ جلد آئے۔ دیر نہ کرے۔ نفع بخش ہو نقصان رساں نہ ہو۔ اے اللہ رحمت کی بارش عذاب کی بارش نہیں۔ اور نہ

ڈھانے والی۔ نہ غرق کرنے والی اور نہ مٹانے والی بارش۔ اے اللہ ہمیں بارش سے سیراب کر اور دشمنوں کے خلاف ہماری مدد فرما۔"

۱۱۔ وفد ثقیف :۔

اس قبیلے کے سردار عروہ بن مسعود نے اسلام قبول کرنے کے بعد طائف جا کر اپنی قوم کو تبلیغ دین کا ارادہ ظاہر کیا تو آپؐ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ تمہاری قوم تمہیں قتل نہ کر دے۔ عروہؓ نے طائف جا کر دعوت اسلام دی تو حضورؐ کا اندیشہ حق ثابت ہوا اور اپنی ہی قوم کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ بعد میں انہیں خطرہ لاحق ہوا کہ مسلمان ان پر حملہ نہ کر دیں۔ لہٰذا چھ افراد پر مشتمل یہ وفد حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دعوت اسلام کے بعد اس وفد کے سردار نے ایک معاہدہ صلح کی استدعا کی۔ اور کہا کہ آپؐ یہ تحریر کر دیں کہ بنو ثقیف کو زنا۔ شراب اور سود کی اجازت ہے۔ ان کے معبود "لات" کو برقرار رکھا گیا ہے۔ اور ان سے نماز کی پابندی ختم کی جاتی ہے۔ اور ان کے بت ان کے ہاتھوں سے نہ تڑوائے جائیں گے۔ رسول اللہؐ نے ان میں سے کوئی شرط ماننے سے انکار کیا۔ بالآخر یہ وفد مسلمان ہوا اور اس کی یہ شرط آپؐ نے مان لی کہ "لات" کو توڑنے کا انتظام رسول اللہؐ خود فرمائیں گے ان کے ہاتھوں سے "لات" کو توڑنے کی پابندی نہ ہے۔ آپؐ نے یہ شرط منظور کر کے ایک تحریر کر دی۔ اور لات کو ڈھانے کی غرض سے خالد بن ولید کے ہمراہ چند صحابہ کو مامور کیا۔ اور واپسی پر وفد کے سردار عثمان ثقفی کو یہ نصیحت فرمائی۔ "باجماعت نمازوں میں قیام و سجود میں طول مت دو۔ مقتدیوں میں کمزور اور ضعیف عمر کی رعایت کرو۔ جن میں بوڑھے۔ بچے۔ ناتواں اور کاروباری لوگ ہوتے ہیں۔"

حج اکبر و خطبہ حجتہ الوداع

گزشتہ سال آپؐ نے صدیق اکبر کو امیر حج بنا کر بھیجا تھا اور پھر حضرت علیؓ کو اعلان براۃ کے لئے ان کے پیچھے روانہ کیا تھا۔ یہ وقت مناسب تھا کہ نصاریٰ میں سے جو ایمان لے آئے تھے ان میں اور جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے ان میں حد فاصل

قائم کر دی جائے۔ اس سے قبل آپؐ کا تعلق خاطر نصاریٰ کے ساتھ یہود کی نسبت بہتر تھا اور بعض مواقع پر آپؐ نے یہود اور مشرکین کے خلاف نصاریٰ سے امداد بھی طلب کی تھی۔ اور نصاریٰ بھی اسلام کی طرف نرم گوشہ رکھتے تھے۔ مگر اب چونکہ مملکت خداداد اسلامیہ کی نظریاتی حدود کو واضح اور گہرا کیا جا رہا تھا لہٰذا آپؐ نے جملہ غیر مسلم قوتوں سے اپنے تعلقات کو از سرنو جانچا اور نصاریٰ کو بھی آئندہ کے لئے اطاعت اور جزیہ کا پابند بنا دیا۔

اس سے قبل جناب رسول اللہؐ دو عمرے ادا کر چکے تھے۔ مگر حج نہ کیا تھا۔ گذشتہ سال اس کی ابتداء کر دی گئی تھی کہ حرم کعبہ میں آئندہ کے لئے غیر مسلموں کے داخلے کی ممانعت ہو گی۔ اور آپؐ اس اہتمام کے ساتھ کہ آپ کی موجودگی میں حرم کعبہ ہر قسم کی خلاف اسلام آلائشوں سے پاک ہو گا حج کا ارادہ فرمایا۔ آپؐ بنفس نفیس آداب حج سے مسلمانوں کو عملاً آگاہ کرنا چاہتے تھے۔

آپؐ نے اسی مقصد کے لئے ۲۵ ماہ ذیقعد ۱۰ھ مدینہ منورہ سے روانگی اختیار کی۔ جملہ امہات المومنین ہمراہ تھیں۔ ذوالحلیفہ کے مقام پر رات قیام فرمایا۔ دوسرے روز احرام حج و عمرہ باندھا۔ مقام سرف پر آپؐ نے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ جن کے پاس قربانی کا جانور موجود ہے ■ حج کا ارادہ کریں اور جن کے پاس قربانی نہیں ہے ■ صرف عمرہ ادا کرنے کی نیت کریں۔

یہ قافلہ ذوالحجہ کی چار تاریخ کو مکہ معظمہ میں داخل ہوا۔ آپؐ نے اسی روز طواف کیا اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے بعد اعلان فرمایا۔ "جس زائر کے ساتھ ہدی نہ ہو وہ احرام کھول دے۔" بعض حضرات کے توقف کرنے پر فرمایا۔ "میرے ہر حکم کی تعمیل تم پر واجب ہے۔" اس پر جن حضرات کے ساتھ قربانی کے جانور نہ تھے انہوں نے احرام کھول دیئے۔ حضرت علیؓ کو البتہ جنابؐ نے اپنی ہدی میں شریک کیا۔

رات میدان منیٰ میں بسر کرنے کے بعد نویں ذوالحجہ کو صبح سورج نکلنے کے بعد عرفات کو روانہ ہوئے۔ اپنے خیمہ میں نمرہ نامی بستی میں اترے۔ اور زوال شمس کے بعد اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر میدان عرفات کے وسط میں خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس وقت

آپؐ کے گرد ایک لاکھ چوبیس ہزار یا ایک لاکھ چوالیس ہزار مسلمان جمع تھے۔ آپؐ ایک جملہ کہتے تو پھر توقف فرماتے اور حضرت ربیعہ بن امیہ انہی الفاظ کا اعادہ بہ آواز بلند کرتے۔ خطبہ کے الفاظ یہ تھے۔

"اے لوگو میں جو کہوں اسے غور سے سنو۔ شاید آئندہ سال اور اس کے بعد پھر کبھی یہاں تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔

اے لوگو تم پر ایک دوسرے کی جان و مال تاقیامت حرام ہیں۔ جس طرح آج کے دن اور اسی مہینہ ذوالحجہ میں حرام ہیں۔ جس کسی کے پاس دوسرے کی امانت ہو اسے لوٹا دے۔

آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے۔ راس المال کے سوا۔ نہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو نہ قیامت کے دن تمہارے ساتھ ظلم کیا جائے گا۔ خدا تعالیٰ نے ہی سود کو ممنوع فرما دیا ہے۔ عباسؓ کا جو سود دوسروں کے ذمہ واجب الادا ہے اسے موقوف کیا جاتا ہے۔

جاہلیت کے مقتولین کا قصاص بعد دیت دونوں کالعدم قرار دی جاتی ہیں۔ سب سے پہلے میں بنوہاشم کے بیٹے ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کا بدلہ اور دیت معاف کرتا ہوں۔

غور سے سنو۔ اب عرب میں شیطان کی پرستش نہ کی جائیگی لیکن اس کی پرستش کی بجائے صرف اطاعت ہی کی گئی تب ہی وہ بہت خوش ہو گا۔ اس لئے دینی امور میں شیطانی وساوس کو اپنے قریب نہ آنے دو۔

اے لوگو ادب والے مہینوں کا غیر ادب والے مہینوں سے ادل بدل کر لینا کفر ہے۔ جس میں مومن آسودہ نہیں ہو سکتا۔ مگر کافر کا اس سے بچنا محال ہے۔ جو اس سال ان چار مہینوں میں سے ایک مہینہ آئندہ سال کے کھاتے میں ڈال لیتے ہیں اور آنے والے سال میں اسے بدستور اپنے محل پر رکھتے ہیں یہ بھی خدا کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا۔ اور حلال کردہ امور کو حرام کر لینا ہی ہے۔

(اور دیکھو) جب خدا نے ابتداء میں آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا زمانہ پھر پھرا کر آج پھر اسی نقطے پر آ گیا ہے۔ چار ادب والے مہینے ہیں۔ تین متواتر (ذی قعد تا

محرم) اور ایک مفرد یعنی رجب جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔

اس کے بعد مجھے بتانا ہے کہ زن و شوہر دونوں ایک دوسرے کے سامنے جوابدہ ہیں۔ کسی عورت کو غیر مرد کو اپنے قریب کرنے کا حق نہیں ورنہ شوہر کے تن بدن میں آگ لگ جائے گی۔ اور یہ کہ عورتوں کو بے حیائی کے ارتکاب سے مطلقاً کنارہ کش رہنا چاہئے اگر ان سے یہ قصور ہو جائے تو ان کے شوہر انہیں بدنی سزا دے سکتے ہیں مگر وہ سزا ضرب شدید کی حد کے قریب نہ پہنچ جائے۔

اگر عورتیں ایسا لاابالی پن چھوڑ دیں تو دستور عام کے مطابق ان کے خوردونوش اور ان کے لباس کا پورا لحاظ رکھو۔ اور ان کے معاملہ میں حسن سلوک سے ہاتھ نہ کھینچو۔ تمہارے نکاح میں آ جانے سے تمہاری پابند ہو جاتی ہیں اور اپنے نفس کی مالک نہیں رہتیں۔ لیکن تم بھی خیال رکھو کہ آخر کلمہ ایجاب و قبول کے ساتھ ہی تو تم نے اللہ کی اس امانت کو اپنی تحویل میں لیا ہے۔ اور انہیں کلمات کے ساتھ انہیں خود پر حلال کیا ہے۔

اے لوگو غور سے سنو۔ جو کچھ تم سے کہہ رہا ہوں۔ اس کی تبیین کے لئے جو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے تو کبھی ٹھوکر نہ کھاؤ گے۔ چیز بجائے خود نہایت واضح ہے۔ اور وہ خدا کی کتاب اور اللہ کے رسول کی سنت ہے۔

اے لوگو میری بات غور سے سنو۔ دیکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اور اس رشتہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان بھائی کی کسی شے پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف روا نہیں۔ ورنہ یہ ایک دوسرے پر ظلم ہو جائے گا۔

"خداوند تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا یہ فرض بھی ادا کر دیا۔"

میدان عرفات میں ہی آیت کریمہ تکمیل دین نازل ہوئی۔ جسے سن کر حضرت ابوبکر صدیق پر گریہ طاری ہوا۔ کہ یہ منصب رسالت کی تکمیل کی وعید بھی تھی۔ یوں رسول اللہؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کا اشارہ بھی۔

عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں شب بسر کی۔ پھر منیٰ میں رمی جمار اور قربانی اور سر منڈانے سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا۔

جیش اسامہ رضی اللہ عنہ

جناب رسالتمآبؐ نے حجتہ الوداع سے واپس آکر شام پر حملہ کی غرض سے ایک لشکر ترتیب دیا۔ اس کی سالاری کے لئے حضرت اسامہ بن زید کو جو ۲۵ سال کے جوان تھے مقرر فرمایا۔ کیونکہ یہ لشکر کشی بھی معرکہ موتہ کی کڑی تھی۔ جس میں کمان حضرت اسامہؓ کے والد حضرت زیدؓ کے پاس تھی۔ اور جو اس معرکہ میں شہید ہوئے تھے۔ مگر اسی اثناء میں رسول اللہ کی طبیعت علیل ہو گئی۔ اور لشکر کی روانگی معطل کر دی گئی۔

بیماری کے دوران منبر پر تشریف فرما ہو کر آخری خطبہ

اللہ کی حمد و ثناء اور شہدائے احد کے لئے دعائے مغفرت کے بعد فرمایا۔

"دوستو اسامہ کے منصب پر اعتراض مت کرو۔ آج جو تم اسامہؓ کی امارت پر حرف گیری کر رہے ہو اسامہؓ کے والد کی امارت پر بھی نکتہ چینی کرتے رہے۔ لیکن اسامہؓ اسی طرح امارت کے لئے خلق ہوا ہے جس طرح اس کے والد زید امارت کے لئے پیدا ہوئے تھے۔" پھر فرمایا۔

"اللہ نے اپنے بندے کو اختیار دیا کہ وہ دنیاو عقبی اور خدا کی نعمت دونوں میں سے کسی ایک کو اپنے لئے منتخب کر لے۔ مگر اللہ کے اس بندے نے خدا کی ملاقات کو ترجیح دی۔" پھر فرمایا۔

"مسجد میں جن لوگوں کے گھروں کے دروازے ہیں ابوبکرؓ کے گھر کے سوا سب کے دروازے موند دیئے جائیں۔" منبر سے اترتے ہوئے فرمایا۔

"میرے دوستوں میں سے مجھ پر کسی کا احسان ابوبکرؓ کے برابر نہیں ہے۔ اگر میں خدا کی طرف سے کسی کو اپنا خلیل بنانے کا مجاز ہوتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ لیکن ازروئے اسلام باہمی رفاقت و اخوت ایمانی کا اختیار ہے اور اسی حالت میں خدا کے سامنے حاضری ہے۔"

پھر حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی طرف جاتے ہوئے فرمایا۔

"اے مہاجرین انصار کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنا۔ ان کے سوا دوسروں کی تعداد بڑھتی جائیگی۔ انصار میرے ایسے محرم ہیں جن کے دامن میں مجھے پناہ ملی۔ ان کی خوبیوں کی قدر اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی کرتے رہنا"۔

مرض شدت اختیار کرتا رہا۔ آپؐ نے امامت کے فرائض کی بجاآوری پر حضرت ابوبکرؓ کو مامور فرمایا۔ اور خود ان کی اقتداء میں ہی نماز ادا کی۔

سیدہ فاطمہؓ سے سرگوشی کی۔ جس پر پہلے ▪ رو پڑیں۔ اور پھر ہنس دیں۔ بعد ازاں سیدہؓ نے بتلایا کہ پہلی اطلاع حضورؐ نے مجھے اپنی وفات کی دی تو میں رو پڑی۔ پھر دوسری اطلاع دی کہ خاندان نبوت میں سب سے پہلے میں جنت میں آپؐ سے ملاقات کروں گی تو میں ہنس دی۔

مسلمانوں سے آخری خطاب

حضرت ابوبکرؓ کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد نمازیوں کی طرف رخ پھیر کر بلند آواز سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا۔

"آگ دہک اٹھی ہے۔ اندھیری رات کی مانند فتنے توبہ تو امڈے چلے آ رہے ہیں۔ خدا کی قسم میرے فرمان کے سوا تمہیں کسی اور دستاویز سے تمسک نہ کرنا چاہئے۔ میں اس پر بھی خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے قرآن ہی کی حلال کردہ اشیاء کو حلال کیا اور قرآن ہی کی حرام کردہ اشیاء کو حرام قرار دیا۔ اور خدا اس قوم پر لعنت کرے جس نے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔"

تاریخ دانوں کی غالب اکثریت کی رائے ہے کہ ۸ جنوری ۶۳۲ء کا دن تھا۔ آپؐ نے دہن مبارک کو مسواک کے ذریعہ صاف کیا اور جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اور آپؐ کو حجرہ عائشہ صدیقہ میں ہی دفن کیا گیا۔

حرف آخر

قارئین کرام! جیسا کہ میں دیباچہ میں عرض کر چکا ہوں۔ میں نے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ کی اس حکمت بالغہ کے بیان کی کوشش کی ہے۔ جو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر جناب رسول مقبول کے فرمودات اور سیرت پر اختتام پذیر ہوئی۔ اور قرآن حکیم کی کتابی شکل اور سنت رسول اللہ کی صورت میں ہمارے درمیان آج بھی موجود ہے۔ اور تاقیامت موجود رہے گی۔ یہ موضوع تو بہت ہی وسیع ہے۔ تو میں نے اسے مختصر کرنے کی غرض سے صرف ان واقعات کو تحریر کیا ہے۔ جن میں حکمت و دانش کا بے محابا اظہار ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے جناب رسالتمآبؐ کی زندگی کے ان واقعات کو جمع کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔ جو حکمت و دانش سے لبریز ہیں۔

آپؐ کے جوانی کے واقعات جن میں حلف الفضول میں شمولیت اور بیت اللہ کی مرمت کے وقت حجراسود کا اپنے مقام پر رکھنے کے لئے آپ کا فیصل اور حکم مقرر ہونا اور پھر آپؐ کا کمال حکمت سے مشکل مسئلہ کو حل کر دینا آپؐ کی عقل و فراست کی تابندہ مثالیں ہیں۔

تجارت کے اصول

آپؐ نے تجارت کو بطور معزز پیشہ کے خود بھی اپنایا اور اسے اپنانے کی تلقین کی۔ اور ساتھ ہی اس پیشہ کے سنہرے اصول بھی بتا دیئے۔ جن میں ناپ تول کے پیمانوں کو پورا رکھنا بنیادی اصول ہے۔ اس کے ساتھ دیانت' امانت اور راست گوئی کی تلقین کی۔ اپنے مال کا نقص گاہک پر آشکار کر دینا تجارت کا اولین اصول ٹھہرایا۔ خوش خلقی کو اس پیشہ کی اساس بنایا۔ یہ سارے اصول ایسے ہیں جو آج کی مہذب دنیا میں سائنسی بنیادوں پر قائم ہونے والے تجارتی ادارے اپنی ترقی اور توسیع کے لئے اپنانے پر مجبور ہیں۔ مگر آپؐ کے ہاں یہ بنیادی اخلاقی اقدار کے طور پر اپنائے گئے۔ جو آج کی کاروباری دنیا کی مالی منفعت کے لئے ضرورت قرار پائے۔

وحی سے قبل کی زندگی

آپؐ نے اپنی چالیس سالہ مکی زندگی میں اپنے اخلاق حسنہ۔ کردار عالیہ اور اطوار جلیلہ کے ذریعہ جن خوبیوں کو معاشرہ میں رائج کیا۔ وہ آپ کی دیانت داری و امانت داری اور راست گوئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ کے بدترین دشمنوں نے بھی آپؐ کو صادق اور امین کہا۔ اور آپؐ نے بھی ہجرت کے موقع پر ایسے حال میں کہ آپؐ کو جان بچا کر مکہ سے نکلنا تھا۔ اہل مکہ کی امانتوں کی واپسی کا خاص اہتمام کیا۔ اور حضرت علیؓ کو امانتوں کی واپسی پر مامور کیا۔

آپؐ نے اپنے حسن عمل سے امانت اور راست گوئی کو مقدم رکھا اور آج یہ بات واضح ہے کہ جس کسی کو بھی دیرپا قیادت و سیادت کو قائم کرنا مقصود ہو گا اسے اپنی ذات کو ان دو خوبیوں سے مزین کرنا ہو گا۔ جس قائد میں یہ دو خوبیاں موجود ہوں گی اس کی ذات پر عوام الناس کا پختہ اعتماد قائم ہو گا۔ اور یوں اس کی قیادت کے اثرات بھی اتنے ہی پختہ ہوں گے جتنا کہ اس کی ذات میں یہ دو خوبیاں۔ ان دو خوبیوں سے مبرا قیادت کا سحر زیادہ عرصہ نہ چل سکے گا۔ پھر قائد کے عزائم جتنے بلند ہوں گے اور اس کا پروگرام جتنا ہمہ گیر اور وسیع ہو گا ان دو خوبیوں کا ہونا اتنا ہی ضروری اور مقدم قرار پائے گا۔

وحی سے قبل غار حرا میں غور و فکر

غور و فکر اور استغراق ہمیشہ سے شخصیت کی بلندی اور تزئین کے لئے ضروری رہے ہیں۔ دنیا کے ہر بڑے داعی اور مبلغ نے اپنی ذات۔ کائنات اور خالق کائنات کو سمجھنے کے لئے اس طریقہ کو اپنایا ہے۔ آپؐ نے بھی اس مروجہ طریقہ سے استفادہ کیا۔ اور اس کا ماحصل وحی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

طریقہ تبلیغ

آپؐ نے درجہ بدرجہ پہلے اپنے اہل خانہ۔ پھر قرابت داروں۔ پھر قریش اور پھر اہل مکہ اور مکہ کے گردونواح کے قبائل۔ پھر اہل مدینہ۔ یہود۔ نصرانی اور مشرکین

عرب کو- اور پھر صلح حدیبیہ کے بعد بیرونی سربراہان مملکت کو دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی طرف بلایا- آپؐ نے طریقہ تبلیغ میں کمال حسن- بردباری- دوراندیشی- حکمت و دانش کو ہر حال میں ملحوظ رکھا- اکثر و بیشتر تبلیغ قرآنی آیات کی تلاوت کے ذریعہ کی- کیونکہ قرآن کی زبان کا جادو اہل عرب کو مسحور کرنے کے لئے کافی تھا- یہی وجہ ہے کہ آپؐ کو ساحر کہا گیا کیونکہ جو قرآن کو سن لیتا تھا وہ اس سے تاثر لئے بغیر نہ رہ سکتا تھا-

مشرکین اور یہودیوں کی نسبت اسلام کی مخالفت میں نصرانی نرم گوشہ رکھتے تھے- لہٰذا آنحضرتؐ نے بھی ان کی طرف شفقت و رافت کا رویہ رکھا- تاآنکہ جزیرہ عرب میں اسلام پھیل گیا- اور اب وقت آگیا کہ مکہ کو کفر سے پاک علاقہ قرار دے دیا جائے- ویسے بھی آپؐ نے مختلف محاذ کھولنے کی بجائے پہلے قریش سے فیصلہ کن جنگ کی- اور اس دوران مدینہ کو اندرونی خلفشار سے بچانے کے لئے معاندانہ رویہ رکھنے والے یہود سے اسے پاک کرتے چلے گئے- تاہم آپؐ نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمانوں کی اس نوزائیدہ جماعت کو مختلف محاذوں پر نہ الجھایا جائے- اس ضمن میں تفصیل سے آپؐ کی جنگی حکمت عملی اور سیاسی تدبر کے تذکرہ میں روشنی ڈالی جائے گی-

ہجرت سے قبل اہل مدینہ سے گفتگو

ہجرت سے قبل اہل مدینہ سے گفتگو کرتے ہوئے آپؐ نے حضرت عباس کے ہمراہ تمام معاملات بڑی تفصیل سے طے کئے جن کا آپؐ کی مدنی زندگی کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا- پھر معاملہ طے کرنے کے لئے حضرت عباس کو جو رشتہ میں آپؐ کے چچا اور حضرت عبدالمطلب کے بعد آپؐ کے مربی تھے ساتھ رکھا- انہوں نے کمال دانشمندی سے اہل مدینہ کو حضورؐ کی ہجرت کے مضمرات- آنے والے خدشات اور خطرات سے آگاہ کیا- تاکہ ہجرت سے قبل ان لوگوں کے اخلاص اور عقیدت کا جائزہ لیا جا سکے- اور ان کے ارادے کی پختگی اور قوت برداشت کا پتہ چلایا جا سکے- یہ سارے معاملات حضورؐ کی دانش و فراست کا منہ بولتا ثبوت ہیں-

ہجرت کے لئے ساتھی کا انتخاب۔

ہجرت کے لئے رفیق سفر اور اپنے پیچھے امانتیں واپس کرنے کے لئے جن اصحاب کا انتخاب آپؐ نے فرمایا بعد کے واقعات نے یہ ثابت کر دیا کہ آپؐ کا حسن انتخاب مردم شناسی کی اعلیٰ مثال تھا۔ قائد کے لئے مردم شناس ہونا بہت ضروری ہے۔ ہر قائد کو اپنے گردوپیش میں بکھرے ہوئے موتیوں اور پتھروں کے خواص کا علم ہونا چاہئے۔ اسے پتہ ہونا چاہئے کہ اس کے ساتھیوں میں سے کون کس کام کے لئے موزوں ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب وہ انسانی نفسیات سے واقف اور اپنے ساتھیوں کے اخلاص و عقیدت اور حسن معاملگی کی پرکھ رکھتا ہو۔ آپؐ نے یہی نہیں آئندہ زندگی میں بھی جب کسی کو کسی منصب کے لئے منتخب کیا تو بعد کے واقعات نے اس انتخاب کو صائب ثابت کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک سیاسی مدبر

آپؐ جب مدینہ میں وارد ہوئے تو اوس و خزرج کے قبائل مدینہ کے مابین دیرینہ دشمنی چلی آ رہی تھی۔ مگر آپؐ کے ورود مسعود سے کچھ عرصہ قبل دونوں قبیلے عبداللہ بن ابی کو اپنا متفقہ سردار بنانے پر رضامند ہو چکے تھے۔ یہود مدینہ میں اثر و رسوخ کے حامل تھے۔ اوس و خزرج کے نومسلم اور بے سروسامان مہاجرین آپؐ کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے مہاجرین کو انصار میں ضم کرنے اور دونوں گروہوں کو ملت اسلامیہ کا جزو لاینفک بنانے کے لئے اور مہاجرین کی معاشی مشکلات میں آسانی پیدا کرنے کے لئے سلسلہ مواخات قائم کیا۔ اور اس طرح مہاجر و انصار کی تفریق اور تمیز کو مٹا دیا۔ آج کی مہذب دنیا میں ملاحظہ کیجئے جب کسی ملک سے مہاجر دوسرے ملک کی حدود میں داخل ہوتے ہیں۔ تو وہاں کے بسنے والوں اور مہاجرین میں کس کس قسم کی غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں۔ افغان مہاجرین کو پاکستان اور ایران نے تیرہ سال تک اپنے پاس رکھا۔ برما سے مسلمان مہاجرین بنگلہ دیش میں داخل ہوئے۔ مگر اس کے باوجود مہاجرین کی علیحدہ شناخت نہ صرف قائم رہی بلکہ ان کی واپسی کے لئے پاکستان۔ ایران۔ بنگلہ دیش

نے ہر ممکن کوشش کی اور واپسی پر مسرت کا اظہار بھی کیا۔ جبکہ پہلے اسلامی معاشرہ میں مہاجرین نہ صرف مدینہ میں ہمیشہ کے لئے قیام پذیر ہو گئے۔ بلکہ انصار نے ان کے رتبہ اور فضیلت کو بھی ہمیشہ پیش نظر رکھا۔

آپؐ نے مدینہ میں یہود۔ نصرانی اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے ساتھ ایک معاہدہ کیا۔ جسے میثاق مدینہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس معاہدہ کے ذریعہ مدینہ کے اندر امن و سکون کا قیام۔ اور بیرونی حملہ کی صورت میں مشترکہ دفاعی حکمت عملی اختیار کی گئی۔ آپؐ کی دوررس نگاہوں نے بھانپ لیا کہ مسلمانوں کی اس نوزائیدہ جماعت پر پہلے قریش کی طرف سے حملہ ہو گا اور اس صورت میں اندرونی طور پر محفوظ ہونا اشد ضروری ہے۔ اس معاہدہ کی شرائط بھی آپ کی حکمت عملی کا منہ بولتا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اس معاہدہ کو آپ نے مدینہ کے گردونواح کے قبائل تک وسیع کر دیا۔

قریش کے ساتھ پہلے معرکہ کے دوران بنو قینقاع کی سازش سے آپؐ سے پہلی فرصت میں نپٹتے ہوئے بنو قینقاع کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم صادر کیا۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ قریش کی طرف سے کسی اور امکانی حملہ کی صورت میں یہود کی ریشہ دوانیوں سے مدینہ کو محفوظ کر دیا جائے۔ اور ساتھ ہی ساتھ مدینہ کو بھی یہود کے وجود سے خالی کرایا جا رہا تھا۔ بنو نضیر نے جناب رسالتمابؐ کے قتل کی کوشش کی۔ اور وہ بھی مدینہ سے بے دخل کر دیئے گئے۔ اور بعد ازاں جنگ خندق کے دوران بنو قریظہ بدعہدی کی بدولت اپنے انجام کو پہنچے۔ آپ ملاحظہ کریں۔ جوں جوں مسلمانوں کی قوت بڑھتی گئی۔ یہود کی بدعہدی پر آپؐ کا ردعمل بھی ان کی طرف سخت ہوتا گیا۔ یہود کے پہلے قبیلہ کو مدینہ سے نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ دوسرے قبیلہ کی بے دخلی کے ساتھ کچھ سامان لے جانے کی شرط تھی۔ اور جان بخشی کی۔ اور تیسرے قبیلہ کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ یہ اس لئے بھی تھا کہ ہر سہ قبائل کے افعال کے پیش نظر ان کے ساتھ سلوک روا رکھا گیا اور موقع و محل کی مناسبت سے سختی اور نرمی کا لحاظ کیا گیا۔ بنو قریظہ کا انجام بھی ان کے ہی منتخب کردہ اوس کے سردار سعد بن معاذ کے فیصلے کے مطابق ہوا۔ جن کا فیصلہ تھا۔ کہ بنو قریظہ کے جنگجو مرد قتل کر دیئے جائیں۔ عورتیں

اور بچے مملوک بنائے جائیں۔ اور ان کے اموال مسلمانوں میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

آپؐ نے منافقین کو برداشت کیا۔ تاآنکہ غزوہ تبوک کے بعد مسلمانوں کی جمعیت اس قدر مستحکم ہو گئی کہ اس اندرونی فتنہ کو برملا ہدف تنقید بنایا گیا۔ اور مسجد ضرار کو جلایا گیا۔ اور ان پر واضح کر دیا گیا کہ مسلمان ان آستین کے سانپوں سے پوری طرح واقف ہیں اور امت کی مصلحت کے لئے ان کو برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ان منافقین کے افعال پر آنحضرتؐ نے ہمیشہ کڑی نظر رکھی۔ تاہم ان کے خلاف قوت کے استعمال سے گریز کیا کہ اس صورت میں امت کے اندر غلط فہمیاں پیدا ہونے اور باہمی منافرت کا اندیشہ موجود تھا۔

آپؐ نے سب سے پہلے قریش کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا۔ کیونکہ عرب میں اہل مکہ کی سیادت مسلمہ تھی۔ اور آپ جانتے تھے کہ ان کے مطیع ہونے کا مطلب تمام عرب کا مطیع ہو جانا ہے۔ لہٰذا آپؐ نے ان کے پے بہ پے حملوں اور گردونواح کے حلیف قبائل پر فوج کشی کر کے ان کی قوت کو کمزور کر دیا۔ اور صلح حدیبیہ ۶ ھ میں قریش کو ایسے مقام پر لا کھڑا کیا کہ اگر وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ کی اجازت دیتے ہیں تو ان کی دھاک ختم ہوتی ہے۔ وہ جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ صلح کا معاہدہ ہی ہو سکتا تھا۔ جو آپؐ نے بظاہر ایک کمزور شرط کو بھی قبول کر لیا۔ مگر امت مسلمہ کے وسیع تر مفاد اور اگلے سال مسلمانوں کے مکہ میں داخلہ سے پیدا ہونے والے تاثر کے پیش نظر آپؐ نے اس معاہدہ کو فتح مبین قرار دیا۔ اور واقعتاً یہ معاہدہ فتح مبین ثابت ہوا۔

اس معاہدہ کے بعد آپؐ نے خیبر کے یہود کے فتنہ کی مکمل سرکوبی کی۔ اور گردوپیش کے یہود اور دیگر سرکش قبائل کا قلع قمع کر دیا۔ اسی دوران آپ دیگر سربراہان مملکت کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اب اپنے ملک میں اطمینان کر لینے کے بعد بین الاقوامی سطح پر آپؐ نے سرگرمیاں شروع کیں۔

دوسرے سال ۷ ھ میں مکہ میں فاتحانہ داخلہ۔ اس کی پیش بندی۔ اور تین دن قیام سے اہل عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ اور قریش کا طلسم ٹوٹ گیا پھر

قریش کی بدعہدی کی وجہ سے یہ معاہدہ ختم ہوا۔ اور آپؐ نے اس دوران یہ بھانپ لیا کہ قریش اب دفاعی جنگ کے لئے بھی تیار نہ ہیں۔ صلح حدیبیہ نے قریش کی کمزوری کو عیاں کر دیا۔ اور پھر صلح کے ٹوٹنے کا علم ہونے پر ان کی طرف سے صلح کے لئے تگ و دُو اور اس حد تک گر کر کوشش کہ صلح کے قائم رہنے کا یکطرفہ اعلان ان کی اندرونی کمزوری کو آشکار کرنے کے لئے کافی تھا۔ لہٰذا آپؐ کا قریش کو تیاری کا موقع نہ دینا اور فوراً مکہ پر حملہ کرنا۔ اور پھر اس حملہ کو انتہائی صیغہ راز میں رکھنا آپؐ کی سیاسی اور جنگی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔

فتح مکہ کے بعد قریش سے حسن سلوک اور پھر حنین اور طائف کے معرکے اور قریش کے اکابرین کو مال غنیمت سے وافر حصہ۔ انصار کا اعتراض اور آپؐ کا خطاب یہ سب آپ کی سیاسی بصیرت و حکمت کے عملی نمونے ہیں۔

غزوہ موتہ و تبوک بھی آپؐ کی ایسی سیاسی حکمت عملی کے نمونے میں جس نے اسلام کو حدود عرب سے باہر متعارف کرانے میں اہم کردار ادا کیا۔ اور اس کے ساتھ ہی تمام عرب قبائل سرنگوں ہو گئے۔ اور وفود کی شکل میں راجع مدینہ ہوئے۔

ان وفود کے ساتھ آپ کے برتاؤ۔ مہمان نوازی اور حسن سلوک سے اسلام تمام عرب میں نفوذ کر گیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اگلے سال ۱۰ ھ میں آپ کے ساتھ مسلمانوں کا عظیم اجتماع میدان عرفات میں جمع ہوا۔ آپؐ نے ۹ ھ کو صدیق اکبر کو امیر حج بنایا۔ خود حج پر تشریف نہ لے گئے۔ کیونکہ اس سال مشرکین۔ نصاریٰ اور دیگر ایسے غیر مسلم جو دین ابراہیمی کے حوالے سے حج بیت اللہ کے لئے آئے تھے ان کی ممانعت کا حکم صادر نہ ہوا تھا۔ پھر سورۃ براۃ کی آیات کے ساتھ آپؐ نے اسی سال حضرت علیؓ کو بھیجا اور خود اگلے سال مسلمانوں کی کثیر جماعت کے ہمراہ حج کا قصد کیا۔

خطبہ حجتہ الوداع

یہ خطبہ آپؐ کے عظیم پروگرام کی تکمیل کا اعلان تھا۔ اس خطبہ میں آپؐ نے اسلام کے عظیم بنیادی اصولوں کا پھر سے تذکرہ فرمایا۔ ان سارے امور کی ادائیگی آپ کے سیاسی تدبر کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہ آپؐ کا سیاسی تدبر تھا کہ دس سال قبل مدینہ

میں داخل ہونے والا یہ مختصر قافلہ اور ان کو خوش آمدید کہنے والی مختصر جماعت آج ایک عظیم ملت کے طور پر تاقیامت زندہ رہنے کے لئے تشکیل پا چکی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سپہ سالار کی حیثیت سے

آپؐ نے جنگی حکمت عملی کے پیش نظر پہلے تو مدینہ کو اندرونی خطرات سے محفوظ کرنے کے لئے میثاق مدینہ کے نام سے ایک معاہدہ کیا۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں جنگ کی صورت میں سالار کو اس قدر چوکس رہنا پڑتا ہے کہ اسے دشمن کی نقل و حرکت سے مکمل آگاہی ضروری ہے۔ دشمن کے بارے میں معلومات کا بروقت حصول جنگی نقصانات سے محفوظ کر دیتا ہے۔ لہٰذا آپؐ نے ایسا مستقل انتظام کر رکھا تھا کہ ایک طرف تو آپ یہود مدینہ سے باخبر رہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کے دشمن قریش کی تیاریوں سے باخبر اور تیسری طرف مدینہ کے گردوپیش کے بدو قبائل کی حرکات و سکنات سے آگاہ رہیں۔ اس مقصد کے لئے آپؐ نے غیر مسلم افراد کی خدمات بھی معاوضہ پر حاصل کر رکھی تھیں۔ اور وقتاً فوقتاً اپنے اصحاب کو بھی اس کام پر مامور فرماتے تھے۔ بعض اوقات آپؐ خود بھی بلاواسطہ اطلاع حاصل کرنے کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ پھر ان معلومات کی صداقت کا جائزہ لیتے اور بروقت اقدام کرتے۔ جنگ بدر۔ احد۔ احزاب۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ جنگ حنین۔ آپؐ کی بہترین جنگی حکمت عملیوں کے نمونے ہیں۔ جنگ احد میں اس حقیقت سے کہ کفار اونٹوں پر سوار ہو رہے ہیں آپؐ نے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تو ہم کفار سے جنگ کرتے۔ استفسار پر آپؐ نے مزید واضح کرتے ہوئے کہا کہ گھوڑا قریب کی منزل کی سواری ہے۔ اور اونٹ دور کی منزل کی۔ اب چونکہ کفار کی منزل مکہ ہے۔ لہٰذا انہیں جانے دیا جائے۔ اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوتے تو ان کی منزل مدینہ ہوتی۔ اور اس صورت میں ہم ان سے جنگ کرتے۔

اس طرح بدر کے میدان میں جب قریش کے کارندے پکڑے گئے اور وہ کفار کے لشکر کی تعداد نہ بتا رہے تھے تو آپؐ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ صبح شام کھانے میں کتنے اونٹ ذبح کرتے ہو۔ ان کا جواب تھا نو یا دس۔ آپؐ نے اصحاب

سے فرمایا کہ ان کو جانے دو۔ لشکر کفار کی تعداد نو سو یا ہزار ہے۔

جنگ احد کے بعد کفار کا تعاقب اور کفار کو مرعوب کرنے کے لئے ایسے پیغام رساں بھیجے گئے کہ کفار کا لشکر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے ارادے کو ترک کر کے مکہ چلا گیا۔

جنگ احزاب میں یہود پر کڑی نظر رکھتے ہوئے یہود اور قریش کے درمیان ہونے والے خفیہ گٹھ جوڑ کو سبوتاژ کیا گیا۔ اور اس طرح مسلمانوں کو ایک بہت بڑے نقصان سے بچا لیا گیا۔ پھر بنو قریظہ کی طرف سعد بن معاذ کو ہی روانہ کیا گیا۔ کیونکہ بنو قریظہ کا انجام بھی انہی کے ہاتھوں ہونا تھا۔ لہٰذا انہیں بنو قریظہ کے حالات سے آگاہی ضروری تھی۔ اوس کے اس مطالبہ پر کہ بنو قریظہ کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو خزرج کے حلیف قبیلہ بنو نضیر سے کیا تھا۔ آپؐ نے ان کے سردار کو بنو قریظہ کے کہنے پر فیصل مقرر کر دیا۔ اور یوں آپؐ نے خود بنو قریظہ کے خلاف فیصلہ نہ دیا بلکہ ان کے تسلیم کردہ فیصل اور حکم نے دیا جس کا قبیلہ بنو قریظہ کا سفارشی تھا۔

ایسا انتظام کرنا کہ مکہ جنگ و جدل کے بغیر فتح ہو جائے۔ پھر حنین میں مسلمانوں کی وقتی ہزیمت اور آپؐ کا استقلال' جرات اور بہادری سے میدان میں جمے رہنا۔ الغرض آپؐ کے تمام جنگی معرکے جن کی تفصیل میں نے پہلے پیش کی ہے۔ آپؐ کے عظیم سپہ سالار ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

قارئین کرام ! تاریخ عالم میں کوئی ہستی ایسی نہیں گزری جسے گوناگوں مشکلات کا اس طرح سامنا کرنا پڑا ہو جیسے جناب رسول اللہ کو۔ نہ ہی کوئی ہستی ایسی گزری ہے اور آئندہ آنے کا امکان ہے۔ جو ۲۳ سال کے قلیل عرصے میں اتنا بڑا انقلاب برپا کر سکے۔

آپ نے حضورؐ کی حالات زندگی پر غور کیا ہو گا۔ پیدائش کے وقت یتیم۔ چھوٹی عمر میں والدہ ماجدہ کا انتقال حالت سفر میں۔ پھر بچپنے میں ہی عظیم' شفیق دادا حضرت عبدالمطلب کا وصال اور بعد ازاں آپؐ کا حضرت ابوطالب کی نگہداشت میں پرورش پانا۔ یہ ابتدائی سانحے تھے۔ آپ پڑھنا لکھنا [redacted]۔ بکریاں چرائیں۔ جوانی میں

آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پڑھنا۔ ای

تجارت کی غرض سے اس وقت کے حالات میں وقت طلب سفر اختیار کئے۔ ۲۵ سال کی عمر میں اپنے سے پندرہ سال بڑی بیوہ عورت حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے شادی کر لی۔ اور یوں معاشی طور پر آپؐ کی زندگی میں استحکام آگیا۔ بعد ازاں غار حرا میں غور و فکر اور چالیس سال کی عمر میں آپؐ پر وحی کا نزول۔ اس چالیس سالہ زندگی میں آپؐ نے نامساعد حالات کا پامردی۔ ہمت۔ استقلال اور حکمت و فراست سے مقابلہ کیا۔ ان نامساعد حالات کے باوجود آپؐ نے دیانت۔ امانت۔ حق گوئی۔ کو اپنا شعار بنایا۔ حتیٰ کہ آپؐ کے یہ اوصاف مکہ میں ضرب المثل بن گئے۔

وحی کے نزول کے بعد مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں آپؐ نے دعوت و تبلیغ کی خاطر کیسی کیسی مشکلات کا سامنا کیا۔ اپنوں کی نفرتوں۔ کدورتوں کو تحمل سے برداشت کیا۔ قریش کی طرف سے معاشی و معاشرتی مقاطعہ کا مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک مقام پر شفیق چچا کا صبر و تحمل بھی جواب دے گیا۔ مگر آپؐ نے استقامت کے ساتھ اپنے مشن پر گامزن رہنے کا اعلان کر کے چچا کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ آپؐ کو نفسیاتی۔ جسمانی اذیتوں کا شکار بنایا گیا۔ طائف کے میدان میں جسمانی ضربات برداشت کیں۔ کفار کے ذلت آمیز رویہ کو یہ کہہ کر برداشت کرتے رہے کہ یہ لوگ مجھے پہچانتے نہیں۔ آپؐ کو ایذاء پہنچانے کا کونسا حربہ تھا جو نہیں اپنایا گیا۔ گالی گلوچ۔ جھڑکیاں۔ کوڑا کرکٹ اور گندگی کا آپؐ پر پھینکنا۔ جسمانی اذیت۔ ہر قسم کی تکلیف آپؐ نے خندہ پیشانی سے نہ صرف برداشت کی بلکہ اپنے مشن کو آگے بڑھانے اور اس کی کامیابی کے لئے نت نئے منصوبے بنانے کا عمل بھی جاری رکھا۔ تاآنکہ کفار نے آپؐ کو نعوذ باللہ ختم کرنے کا ارادہ کر لیا تو آپؐ کو اللہ کے حکم سے مکہ چھوڑ کر مدینہ کا رخ کرنا پڑا۔

مدینہ میں بھی حالات کچھ اتنے خوشگوار نہ تھے۔ اوس و خزرج کی دیرینہ عداوت۔ یہود مدینہ کی دشمنی۔ مدینہ کے مشرک اور نصرانیوں کی عداوت۔ عبداللہ بن ابی کی ریشہ دوانیاں اور مسلمانوں کی اس نوزائیدہ جماعت کی تعلیم و تربیت اور اس کا بیرونی اور اندرونی خطرات سے دفاع۔ مسلم ریاست کا قیام اور اس کا انتظام و انصرام۔ وحی الہیہ کی تعلیم و ترویج۔ کتنے ہی امور تھے جو آپؐ کو سرانجام دینے تھے۔ آپؐ نے ان تمام مشکلات کا مقابلہ احسن حکمت عملی سے کیا۔

قریش سے جدال۔ یہود کا قلع قمع۔ مدینہ کے گردوپیش کے قبائل کی معاندانہ سرگرمیوں کا خاتمہ۔ منافقوں کی چالوں کا توڑ بعض اوقات بعض مسلمانوں کی طرف سے وقتی تنقید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت عملی سے اختلاف کا سامنا۔ (جیسا کہ جنگ احد۔ صلح حدیبیہ۔ فتح مکہ۔ تقسیم مال غنیمت حنین۔ حجتہ الوداع کے موقع پر بعض اصحاب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں پر تنقید کی اور بعض مقامات پر آپ کے احکامات کی تعمیل میں تساہل سے کام لیا۔ مگر بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات سننے پر اپنے سابقہ عمل سے تائب ہوئے) خانگی مشکلات۔ یہ سارے معاملات ایسے ہیں کہ ایک بڑے سے بڑے انسان کو بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دیں مگر آپ کا عزم۔ حوصلہ۔ تحمل۔ بردباری۔ دور اندیشی۔ استقلال اور استقامت ایسے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ گھبرائے نہ اکتائے ہوئے۔ آگے ہی بڑھتے گئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی صداقت اور اللہ رب العزت کی تائید پر کامل بھروسہ تھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام مشکلات پر حکمت و دانائی سے اس طرح قابو پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ فتح۔ کامیابی۔ کامرانی۔ نصرت نصیب ہوئی جو ازل سے ابد تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا خاصا ہے۔ اور رہے گی۔

قارئین آپ نے وہ تمام واقعات ملاحظہ کر لئے ہیں جن کو میں نے کتاب میں درج کیا ہے۔ ان واقعات کے بغور مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچنے میں حق بجانب ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حیثیت میں جو فیصلے صادر فرمائے ہیں۔ وہ ہر لحاظ سے بہترین فیصلے تھے اور ان عمدہ فیصلوں کے نتائج آج بھی اور رہتی دنیا تک سامنے آتے رہیں گے۔ ہمیں چاہئے یہ کہ ہم زندگی میں جس مقام پر بھی ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے روشنی اور راہنمائی حاصل کرتے رہیں۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔ کہ بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے اس شخص کے لئے جس کا رشتہ امید خدا اور قیامت کے دن کے ساتھ قائم ہے اور جو اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

قارئین کرام! ہماری زندگیوں کی دو جہانوں میں کامیابی کا مدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے میں ہے کہ یہی مخزن حکمت و دانش ہیں اور انہی کی ذات باعث



(حِکمۃ بالغۃ)

مسعود احمد شاہ

نگارشات ○ میاں چیمبرز ○ ۳ ٹمپل روڈ ○ لاہور